مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰ر روپے فی شمارہ ۱۲ر روپے

پاکستان میں سالانہ ۳۰۰ر روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیٰ، شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع اسی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

۱

فہرست ششماہی

مضمون نگاران معارف

۱۷۶ویں جلد

ماہ جولائی ۲۰۰۵ء تا ماہ دسمبر ۲۰۰۵ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست ششماہی

مضامین معارف

۱۷۶ویں جلد

ماہ جولائی ۲۰۰۵ء تا ماہ دسمبر ۲۰۰۵ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۱۷۶ ماہ جمادی الآخر ۱۴۲۶ھ مطابق ماہ جولائی ۲۰۰۵ء عدد ۱

فہرست مضامین

ای میل: email: Shibli academy @ rediffmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کے خدمت گزاروں کو اپنے بزرگوں سے جو سرمایہ ورثے میں ملا ہے، ان کی آرزو اور کوشش ہے کہ وہ اچھے حال میں قایم رہے اور دارالمصنفین اپنے مقاصد کی تکمیل کرتا رہے، اس کی ضرورتوں کے لیے بزرگوں کی قایم کردہ عمارتیں کافی ہیں لیکن ان کی مرمت اور قلعی وصفائی اور زمانے کے اقتضا سے جو چیزیں عمارتوں کی بنیادی ضرورتیں بنتی جارہی ہیں ان کی تعمیر ہوتے رہنا ضروری ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ کتب خانے میں تازہ مطبوعات اور قدیم کتابوں کے نئے اور محقق اڈیشنوں کا اضافہ ہوتا رہے اور پرانا پریس جس پر ماہانہ اچھا خاصا خرچ ہوتا رہتا ہے آفسیٹ پریس میں تبدیل ہوجائے تاکہ طباعت کا معیار اچھا اور اس سے دارالمصنفین کو کچھ یافت ہونے لگے، چند نئے رفقا اور کارکنوں کا اضافہ ہوتا کہ چراغ سے چراغ جلتا رہے اور دارالمصنفین کے کاموں کی رفتار میں تیزی آئے لیکن اس بڑھتی ہوئی گرانی اور ذرایع آمدنی کے کم سے کم تر ہونے کی بنا پر جب موجودہ کارکنوں کی قلیل تنخواہوں کی ادایگی ہی بہ مشکل ہو پاتی ہے تو یہ سب ضروری کام کیسے انجام پائیں؟ دارالمصنفین کی ضرورت اب پہلے سے بھی زیادہ ہے، اس لیے اس کا تحفظ وبقا تمام اصحاب خیر بالخصوص علامہ شبلی کے قدردانوں کا فریضہ ہے۔

دارالمصنفین کی ان ضروریات کی تکمیل کے لیے حکومت سے کوئی مدد نہیں مل سکتی، چنانچہ ایک نئے دو منزلہ وسیع ہال کی تعمیر کے لیے جس کا تخمینا اکتیس لاکھ تھا، سماج وادی پارٹی کے جنرل سکریٹری اور راجیہ سبھا کے ممبر مسٹر امر سنگھ سے درخواست کی گئی جس کو انہوں نے اپنے ایم پی فنڈ سے دینا منظور کرلیا لیکن ضلع حکام سے صرف پچیس لاکھ روپے ہی دارالمصنفین کو ملے اور تعمیر کے دوران اچانک میٹریل اور عمارتی ساز وسامان بہت گراں ہوگئے، اس کی وجہ سے تعمیر پر تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے زیادہ خرچ ہوگئے پھر بھی عمارت نامکمل رہی، جس پر خیال ہے مزید پانچ لاکھ صرف ہوں گے، بقایے کی ادایگی جتنی ضروری ہے اتنی ہی دارالمصنفین کے لیے وہ دشوار ہے، اس لیے

اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ وہ قرضوں کی ادایگی کا فوری سامان کرکے دارالمصنفین کے خادموں کو ممنون کرم کریں، پریس کے لیے محترمہ شبانہ اعظمی نے اپنے ایم پی فنڈ سے رقم دینے کی منظوری دے دی تھی مگر ایم پی لیڈ کے قاعدے میں پریس کے لیے رقم دینے کی گنجایش نہیں، یہ بھی کہا گیا کہ کسی ادارے کو پچیس لاکھ سے زیادہ رقم نہیں دی جاسکتی اور وہ دارالمصنفین کو مل چکی ہے، اب دارالمصنفین کے کارکنوں نے ایک نئے چھوٹے پریس لگانے کا فیصلہ کیا ہے جو سات آٹھ لاکھ میں لگے گا، اس کی فراہمی بھی دارالمصنفین کے کرم فرماؤں کے لیے مشکل نہیں ہے۔

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر جناب سید شہاب الدین مسلمانوں کے سرکردہ رہنما اور ہوش مند قاید ہیں، وہ مسلمانوں کے حالات اور آزاد ہندوستان میں ان کو درپیش مسایل و مشکلات سے بہت باخبر اور ان کے حل کے لیے فکرمند رہتے ہیں، خود مسلمانوں کی شخصی اور اجتماعی زندگی کی خرابیوں کا علم بھی ان کو ہے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ کس طرح دور ہوسکتی ہیں، حال ہی میں انہوں نے اپنے ایک مضمون میں مسلم تنظیموں کے درمیان تقسیم کار اور ہر سطح پر تال میل کو ضروری بتاتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ قابل غور اور لایق توجہ ہیں، فرماتے ہیں کہ مسلم فرقے کے اندر تنظیموں، جماعتوں، انجمنوں، سوسائٹیوں اور ٹرسٹوں کا سیلاب آیا ہوا ہے اور سب ہی کا دعوا ہے کہ ان کی حیثیت کل ہند کی ہے، حالاں کہ ۹۰ سے ۹۵ فی صد وہ اپنے ہی علاقوں تک محدود ہوتی ہیں، زیادہ تر ادارے محض کاغذی ہوتے ہیں، زیادہ تر کا مقصد حکومت سے گرانٹ یا صاحب ثروت سے چندہ وصول کرنا ہے، ایسے اداروں کی شرح موت اور زندگی بہت زیادہ ہے، جن رضا کار تنظیموں نے جڑ پکڑلی ہے اور برسوں سے قایم ہیں اور سارے ملک میں ان کی شاخیں ہیں، سید صاحب کو دکھ ہے کہ جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کو چھوڑ کر سب ہی جماعتوں کو متوازی جماعت کے قیام کا سامنا کرنا پڑا۔

سید صاحب کا خیال بجا ہے کہ ایک بار شگاف پڑ جانے کے بعد اتحاد مشکل ہوجاتا ہے، حالاں کہ ایسے اختلافات عام طور پر ذاتی انا یا سربراہ کی من مانی کی بنیاد پر ہوتے ہیں، وہ بعض اداروں کی محاذ آرائی کی شدت اور ایک دوسرے پر نازیبا حملے اور خودستائی کے مظاہروں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے یکساں قسم کا کام کرنے والے اداروں کے دایرے

الگ نہیں ہو پاتے اور نہ ان کے کاموں میں کوئی تنوع آپاتا ہے، اس نامناسب محاذ آرائی کے نقصان، اس کے پس پردہ معمولی مفاد اور حقیر اغراض کی شناعت بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سیاسی خدمت کا میدان بہت وسیع ہے اور اس میں ہر ادارے کو اپنے مخصوص دائرۂ کار کے اندر کام کرنے اور بہتر مقام حاصل کرنے کا زبردست موقع ہے، وہ سب سے اہم میدان تعلیم کا بتاتے ہیں، جہاں رضا کار انجمنوں کو کام کرنے کا بہت موقع ہے، مختلف تنظیموں کے لیے الگ الگ دوائر میں کام کرنے کی زبردست گنجایش ہے، جیسے مذہبی تعلیم و تبلیغ، سماجی اصلاح، عام اور پیشہ ورانہ تعلیم، میڈیا پر نظر اور قانونی مشاورت، سیاسی رہنمائی کی بھی ضرورت ہے مگر مسلم رضا کار تنظیموں میں تنوع نہیں اور نہ تخصیص کار کا کوئی اصول، نہ افرادی طاقت اور نہ ہی سرمایہ کہ وہ ملت کی مختلف النوع ضرورتوں پر توجہ دے سکیں، نیچے سے اوپر تک ہر میدان سیاسی، معاشی، سماجی، تعلیمی اور اطلاعاتی میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آخر میں اس کی سخت ضرورت بتاتے ہیں کہ تمام انجمنیں اور ادارے جو اپنے دائرے میں مختلف قسم کے کام کر رہے ہیں وہ آپس میں مل بیٹھیں، اپنے کاموں میں تال میل پیدا کریں، ایک دوسرے کے تجربے سے فایدہ اٹھائیں، دو ادارے ایک ہی کام کو نہ دہرائیں اور غلط فہمیوں اور مسابقت کو دور کریں، ایسا کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ ملت کو بہ حیثیت مجموعی فایدہ پہنچے، ضرورت تقسیم کار، ہر سطح پر تال میل اور تنظیموں کا جال بچھانے کا ہے، کسی وقت سب ہی انجمنیں ایک مطالبے پر ایک رائے ہو سکتی ہیں، اس طرح ملت یا عوام کے مطالبے کو زبردست تقویت حاصل ہو جائے اور انہیں عوام کی زبردست حمایت حاصل ہو جائے، مسلم عوام نا اتفاقی کا رونا روتے رہتے ہیں مگر مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کیسے ہو سکتا ہے جب ان کے ذی اثر افراد ہر سطح پر خود ہی بٹے ہوئے ہیں، اگر انجمن اور ادارے ایک نہیں ہو سکتے تو کیا ان کے مقاصد بھی ایک نہیں ہو سکتے۔

جون کے شذرات میں جناب مومنہ سہیل کو غلطی سے فرزند شبلی شیخ حامد نعمانی کی نواسی لکھ گیا تھا، یہ حامد صاحب کی صاحب زادی ہیں۔

☆☆☆☆

مقالات

علامہ شبلی نعمانیؒ اور مستشرقین

از:- پروفیسر الطاف احمد اعظمی ☆

علامہ شبلی کی شخصیت بڑی طرح دار اور بوقلموں تھی، خالص اسلامی علوم و فنون میں سے کون سا شعبہ علم ہے جو ان کی علمی مساعی کا مرہون منت نہیں ہے، تاریخ ہو، سیرت ہو، سوانح نگاری ہو، علم کلام ہو، تصوف ہو، فارسی اور اردو ادبیات ہوں، ہر جگہ علامہ شبلی کا قلم علم و دانش کے گہر ہائے آب دار بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے، اس پر مستزاد ان کا علمی اور تحقیقی مزاج، جس نے ان کی تحریروں کو اعتبار اور وقار عطا کیا ہے، ان کی تصنیفات میں الفاروق اور سیرت النبی کا درجہ کافی بلند ہے اور ان دونوں کتابوں میں ان کا تحقیقی مزاج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

یہی تحقیقی رجحان ان تحریروں میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے جن کا تعلق مستشرقین کے علمی کاموں سے ہے اور یہی علمی کام اس وقت ہمارے زیر نظر مقالے کا موضوع ہے۔

مستشرقین جن کو مغرب میں Orientalist کہا جاتا ہے، یہ وہ مغربی علما و فضلا ہیں جنہوں نے مشرقی اقوام اور ان کے علوم و فنون کو اپنی علمی تحقیقات کا موضوع بنایا، ان میں مردہ اور زندہ دونوں اقوام شامل ہیں، مردہ اقوام میں کلدانی، بابلی، اہل نینوا، مصری، سریانی، یونانی وغیرہ اور زندہ اقوام میں اہل عرب (مسلمان) ہندی اور چینی شامل ہیں۔

اس میں دو رائے نہیں کہ مستشرقین کی علمی خدمات بڑی وقیع اور مستحسن ہیں، انہوں نے ایک طرف مردہ اقوام کی گم شدہ تاریخ کے ایک ایک ورق کو اپنی سعی پیہم اور عرق ریزی سے ایک

☆ جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر، نئی دہلی۔

جگہ جمع کیا اور اس کو قابل مطالعہ بنایا اور دوسری طرف زندہ اقوام کے علوم وفنون کو جو مخطوطات اور دستاویزات کی صورت میں دنیا کی مختلف لائبریریوں اور اہل علم کے ذاتی ذخیروں میں محفوظ مگر طاق نسیاں بنے ہوئے تھے، باہر نکالا اور ان کو اصلاح وتہذیب کے بعد شایع کر کے تشنگان علم کی سیرابی کا سامان بہم پہنچایا۔

علامہ شبلی کا مزاج چوں کہ خالص علمی اور تحقیقی تھا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اس لیے انہوں نے غیر مسلموں کی علمی خدمات کے اعتراف میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور ہر جگہ انصاف ودیانت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے، مستشرقین کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی شہرۂ آفاق ''سیرت النبی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''اخیر اٹھارہویں صدی وہ زمانہ ہے جب یورپ کی سیاسی قوت اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوگئی تھی جس نے اورینٹلسٹ کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی جنہوں نے حکومت کے اشارے سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں، ایشیاٹک سوسائٹیاں قایم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کے سامان پیدا کیے، اورینٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا، سب سے پہلے ہالینڈ نے اپنے مقبوضہ جزایر شرقی میں ۱۷۷۸ء میں ایک ایشیاٹک سوسائٹی قایم کی، اس کی تقلید میں انگریزوں نے بہ مقام کلکتہ ۱۷۸۴ء میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی قایم کی اور ۱۷۸۸ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد رکھی، اس کے بعد ۱۷۹۵ء میں فرانس نے مشرقی زندہ زبانوں (عربی، فارسی، ترکی) کا دار العلوم قایم کیا اور آخر کار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام یورپ میں اس قسم کی درس گاہیں اور انجمنیں جاری ہوگئیں''۔(۱)

انہوں نے آگے مزید لکھا ہے: ''مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت ومغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں وہ ایک ایک باستثنائے چند اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں اور ان میں سے اکثر کا یوروپین زبانوں میں ترجمہ ہوگیا، سب سے پہلے رسک (متوفی ۱۷۷۴ء) نے تاریخ ابوالفدا مع ترجمہ لاطینی و

حواشی پانچ جلدوں میں شایع کی، ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے متھوس نے کلکتہ سے مشکٰوۃ المصابیح کا انگریزی ترجمہ شایع کیا، ۱۸۵۶ء میں وان کریمر نے کلکتہ سے محمد بن واقدی کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی کوٹنگن سے اشاعت کی، اس کے علاوہ اسی مستشرق نے ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل نے ابن ہشام کا جرمن ترجمہ شایع کیا، والہوس نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ ''محمد بہ مدینہ'' برلن سے شایع کیا، ۱۸۸۳ء میں لیڈن کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں چھپی، ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت میں طبری کی مشہور اور نادر الوجود تاریخ بارتھ نولدیکی وغیرہ نے شایع کی اور سب سے اخیر میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی میں کوئی تصنیف نہیں، تقریباً ۱۹۰۰ء سے گزشتہ سال تک ایک ایک جلد کر کے لیڈن سے شایع ہوتی رہی''۔(۲)

مؤخر الذکر کتاب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''ہم نہایت فیاض دلی سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یورپ کو آج کل ہمارے علوم وفنون کے ساتھ جو اعتنا ہے اور جس طرح وہ ہمارے قدیم خزانوں کے بیش بہا نوادر ڈھونڈ کر پیدا کر رہا ہے ہم خود نہیں کرتے بلکہ نہیں کر سکتے، مسلمانوں کو بھی معلوم نہیں کہ آج تک یورپ نے عربی کی کون سی نایاب کتابیں اہتمام کے ساتھ چھاپ کر شایع کی ہیں''۔(۳)

طب اور تاریخ کے موضوعات پر مسلم علما کی نادر تصنیفات کی دریافت اور ان کی اشاعت کا کام بھی مغربی فضلا ہی نے انجام دیا ہے، علامہ شبلی نے اس علمی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یورپ نے ہماری یادگاروں کے زندہ کرنے میں اور جو کام کیے ہیں وہ کیا کم ہیں، ان ہی کی بہ دولت فن حرب کی وہ کتاب شایع ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس فن کے علمی اصول مرتب کیے تھے اور ان کا فن جنگ موجودہ فن جنگ کا مکمل خاکہ تھا، یورپ کی بہ دولت زہراوی کی کتاب فن تشریح کے متعلق چھپ کر شایع ہوئی جس میں کئی سو آلات تشریح (سرجری) کی تصویریں اور ان کے استعمال کے طریقے درج کیے ہیں، پیٹ میں مرے ہوئے بچے کے نکالنے کے بیسوں آلات کے نقشے دے کر ان کے استعمال کے طریقے بتائے

ہیں، یورپ ہی کی بہ دولت تاریخ طبری، طبقات ابن سعد اور تاریخ الحکما وغیرہ کا پتہ لگا جو گویا دنیا سے ناپید ہوگئی تھیں"۔(۴)

ایک طرف مستشرقین ہمارے علوم وفنون کو شایع کر کے ان کو ایک نئی زندگی دے رہے تھے اور دوسری طرف مسلم علما تحقیق وتدقیق کے میدان میں جاں فشانی کرنے کے بجائے فضول علمی مشاغل میں ہمہ تن مشغول تھے، علامہ شبلی نے بڑے درد وکرب کے عالم میں لکھا ہے:

"اسلام آج دنیا کے تمام حصوں میں پھیلا ہوا ہے، کروڑوں مسلمان موجود ہیں، بڑی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں قایم ہیں، عربی علوم اسی زور وشور سے پڑھے اور پڑھائے جارہے ہیں، اس بنا پر دنیا کو ہم سے اس کام کی توقع تھی لیکن ابھی ہم کو اور ضروری کاموں سے فرصت کہاں ہے، حمد اللہ کے بعض ضروری مقامات اب تک ناحل شدہ ہیں، شرح ملا کی ایک ضمیر کا مرجع اب تک متعین نہیں ہوا ہے، میر زاہد کی بعدیت زمانی اور مکانی کا اب تک فیصلہ نہیں ہوسکا ہے اور خیر یہ سب کام تو اٹھائے رکھے جاسکتے ہیں لیکن شیعوں کی تکفیر تو بہر حال مقدم ہے اور گو وہابیوں کا استیصال اس قدر ضروری نہ ہو لیکن آخر اس کی اہمیت سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا"۔(۵)

ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں ماتم سرائی کی ہے: "ایک طرف تو ہمارے مولوی صاحبان مسلمانوں کو کافر بنانے میں مصروف ہیں اور اس کام میں وہ کوشش کرتے ہیں جو صحابہ کافروں کو مسلمان بنانے میں کرتے تھے، دوسری طرف یورپ کی علمی فیاضیوں کا بادل عالم پر حیات برسا رہا ہے، دنیا کی تمام قوموں کے مردہ علوم وفنون، تاریخ اور یادگاریں زمین کے طبقے الٹ الٹ کر نکالے جارہے ہیں اور دنیا کی نمایش گاہ ان گم شدہ جواہرات سے اس طرح سجادی گئی ہے کہ گویا پچھلا زمانہ سروسامان سے دوبارہ سامنے آگیا ہے"۔(۶)

علامہ شبلی نے مستشرقین کی علمی خدمات کی تحسین کے ساتھ ان کے علمی کاموں کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے، دنیا کی ہر قوم کو اپنے علوم وفنون سے جو انس اور تعلق خاطر ہوتا ہے وہ یقیناً دوسری اقوام کے علوم وفنون سے نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ یورپ کے علما وفضلا نے

مسلمانوں کی علمی یادگاروں کی اشاعت میں اس قدر کوششیں کیں کہ خود مسلمان نہیں کرسکتے تھے اور نہ کیا، انہوں نے یہ غیر معمولی علمی خدمت خلوص نیت کے ساتھ کی تھی، دوسرے لفظوں میں کیا ان کو اسلامی علوم سے محبت تھی اور کیا وہ فی الواقع مسلمانوں کے علمی سرمایے کو جو گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا، محفوظ ومتعارف کرا کے ان کی علمی عظمت رفتہ کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کے ذریعے مسلم قوم کے اندر علمی تحقیق کے جذبۂ خفتہ کو بیدار کرنے کے خواہاں تھے؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا، ان کی علمی مساعی کے پیچھے اس نوع کے اعلا جذبات ومحرکات کارفرما تھے بلکہ اس کے مقاصد کچھ اور تھے۔

مسلمانوں کی علمی یادگاروں کی اشاعت کا اصلی محرک دراصل ان کا قومی اور مذہبی مفاد تھا، جس طرح عہدِ عباسی میں مسلمانوں نے یونانی علوم وفنون کو عربی زبان میں اس لیے منتقل نہیں کیا کہ ان کو یونانیوں کے علوم وفنون سے کوئی محبت تھی بلکہ اصلی غرض یہ تھی کہ وہ ان علوم وفنون کے سرپرست بنیں اور ان کو سیکھ کر اسلامی تہذیب کو وسیع اور بوقلموں بنائیں اور یہ کام انہوں نے شان دار طریقے سے انجام دیا، ٹھیک اسی طرح جس وقت مغربی اقوام کو دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے علوم وفنون کے میدان میں پیش قدمی شروع کی تو ان کی نظر مسلمانوں کے عظیم الشان علمی کاموں پر پڑی جو ان کے دورِ اقبال میں انجام پائے اور جس کی وجہ سے وہ دنیا میں سرخ رو اور سربلند ہوئے تھے، چنانچہ وہ ہر طرح کی مشقت اٹھا کر اس علمی گنجِ گراں مایہ تک پہنچے، اس کی اشاعت کا سامان کیا اور اسے لایق استفادہ بنایا، اس علمی خدمت کا تعلق زیادہ تر تاریخ، ادب، فلسفہ وسائنس اور طب جیسے علوم سے ہے، مستشرقین کی یہ علمی خدمت جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے، بلاشبہ قابلِ ستایش ہے، اگرچہ اس میں ان کے قومی تعصب کی بھی کارفرمائی ملتی ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے لیکن خالص اسلامی علوم، مثلاً تفسیر، سیرت رسول، تاریخِ اسلام سے متعلق مسلمانوں کے قدیم علمی سرمائے کی حفاظت واشاعت کے سلسلے میں مستشرقین نے جو کوششیں کی ہیں، اس کا اصلی محرک وہ بغض وعناد تھا جو وہ اسلام کے خلاف رکھتے تھے، خدمت علم کی حیثیت بالکل ثانوی تھی، یورپ نے صلیبی جنگوں کے بعد خوب اچھی طرح جان لیا کہ مسلمانوں کی گزشتہ سیاسی عظمت وشوکت کا راز ان کی مذہبی کتاب (قرآن) اور ان کے پیغمبر

کی شان دار اور آفاقی سیرت میں پوشیدہ ہے، اس لیے مستقبل میں مغربی اقوام کو مسلم مجاہدوں کی تاخت سے بچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس مذہب میں کیڑے نکالے جائیں، اس کی تعلیمات کے معنی و مفہوم میں تبدیلی کی جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے رسول کی سیرت میں داغ دھبے تلاش کر کے اس کو عیب دار بنایا جائے، یہ مذموم کام اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ وہ اسلامی ماخذ تک براہ راست پہنچیں، چنانچہ مغربی فضلا نے یہ کام دل لگا کر کیا، تمام قدیم ماخذوں کو جو ہنوز مخطوطات کی صورت میں تھے شایع کیا اور پھر مذکورہ مقاصد کی خاطر مختلف اسلامی موضوعات پر انہوں نے کتابیں لکھیں، ان کتابوں میں انہوں نے اسلام کے بارے میں ہر طرح کی بدگمانیاں پیدا کیں، قرآن اور پیغمبر اسلام کو خاص طور پر اپنی افترا پردازی اور جارحانہ تنقید کا نشانہ بنایا۔

مستشرقین کے ان ناپاک عزائم سے علامہ شبلی پوری طرح باخبر تھے، جرمنی کے مشہور فاضل سخاؤ نے، جن کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے، ''طبقات ابن سعد'' شایع کی تو انہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ''اس جرمن فاضل کی وسعتِ معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کر سکتا ہے، بیرونی کی ''کتاب الہند'' کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور سے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خالص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلو پیڈیا (ج ۱۶) میں قرآن مجید پر اس کا جو آرٹیکل ہے جا بجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے رازِ پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے، وہ مستشرقین جنہوں نے خالص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے، مثلاً پامر اور مارگولیوس صاحب، ان سے ہم بہت کچھ امید کر سکتے تھے لیکن ان کا یہ حال ہے کہ ؎ دیکھتا سب کچھ ہے لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

مارگولیتھ نے مسند امام احمد بن حنبلؒ کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہم سری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال کے لیے پیش نہیں

کر سکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو نہیں ہو سکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی داں ہیں، کئی سال مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے، لکھنؤ میں آ کر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گزری ہے، حافظ ابن حجرؒ کی کتاب ''الاصابہ فی احوال الصحابہ'' اوّل اوّل ان ہی نے ہی تصحیح کر کے کلکتہ میں چھپوائی لیکن جب آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تین جلدوں میں لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے''۔(۷)

مستشرقین کا سب سے زیادہ محبوب موضوع، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، پیغمبر اسلام کی ذات گرامی ہے، شاید ہی کوئی قابلِ ذکر مستشرق ہو جس نے اس موضوع پر تھوڑی بہت خامہ فرسائی نہ کی ہو، اس سلسلے میں مارگولیتھ، سر ولیم میور (۸) اور مونٹگمری واٹ (۹) کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، ان فضلائے یورپ نے نبی ﷺ کی جو سیرت لکھی ہے اس میں مذہبی تعصب، دروغ گوئی، افسانہ طرازی اور اسلام کے خلاف ان کا جذبۂ عناد اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے کہ ہر نبی کا تعلق اپنے معاشرے کے اعلا خاندان بالخصوص مذہبی خانوادے سے رہا ہے، مستشرقین اس تاریخی حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نبی ﷺ کے حسب و نسب پر سوالیہ نشان لگایا، مارگولیتھ نے لکھا ہے کہ: ''محمد (ﷺ) ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے''(۱۰) سر ولیم میور نے اس سے آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کا نسبی تعلق خاندانِ اسماعیل سے ثابت نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں: ''یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسماعیل کی اولاد سے خیال کیا جائے ان کی عین حیات میں پیدا ہوئی تھی اور اس طرح پر محمد ﷺ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑ لیے گئے تھے اور اسماعیل اور بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچے میں ڈھالے گئے تھے''۔(۱۱)

اس الزام کی لغویت اس قدر واضح ہے کہ اس پر نقد و تبصرہ کی حاجت نہیں، اہلِ علم کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ آپ ﷺ کا تعلق خانوادۂ اسماعیل سے تھا، یہ امر کبھی نزاعی رہا ہی

نہیں، یہ محض مستشرقین کے دماغ کی اختراع ہے۔

ان کی دروغ گوئی کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے یہ لغو بات بھی لکھ دی کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام نبوت سے پہلے بت پوجتے تھے، مارگولیتھ لکھتا ہے: ''محمد ﷺ اور خدیجہؓ دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا'' (۱۲) اس نے اس گندے الزام کے ثبوت میں مسند امام احمد بن حنبل کی ایک روایت (ج ۴، ص ۲۳۲) نقل کی ہے جو درج ذیل ہے:

حدثنی جار لخدیجة بنت خویلد انه سمع النبی وهو یقول لخدیجة، ای خدیجة، والله لا اعبد اللات والعزی، والله لا اعبد ابدا قال، فتقول خدیجة: خل اللات و خل العزی، قال، کانت صنمهم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون ۔

''مجھ سے خدیجہ بنت خویلد کے ایک ہم سایہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر صاحب کو حضرت خدیجہ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ، بہ خدا میں کبھی لات وعزی کی پرستش نہ کروں گا، خدیجہ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجیے، عزی کو جانے دیجیے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے)، اس نے کہا کہ لات وعزی وہ بت تھے جن کی پرستش وہ (اہل عرب) سونے سے پیشتر کرلیا کرتے تھے''۔

ایک غیر مسلم، جو عربی زبان سے ناواقف ہوگا، مارگولیتھ کے اس انکشاف کو تسلیم کرلے گا کہ آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجہؓ آغاز اسلام سے پہلے فعل شرک کے مرتکب ہوئے تھے لیکن عربی زبان سے واقف شخص اس تحقیق کو پڑھ کر اپنا سر پیٹ لے گا کہ جہل و تعصب کی اس سے بڑی مثال علم و تحقیق کی دنیا میں مشکل سے مل سکے گی۔

علامہ شبلی نے مارگولیتھ کی اس تحقیق پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ایک معمولی عربی داں بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکور میں کانوا کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عرب لات وعزی کی پرستش کرتے تھے، اگر آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ (کانا) کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا، اس کے علاوہ خود اسی روایت میں لات وعزی کی پرستش سے آنحضرت ﷺ کا سخت انکار مذکور ہے'' ۔(۱۳)

مستشرقین نے پیغمبر اسلام کے دعوائے نبوت کی تردید میں جس واقعے کو سب سے زیادہ شہرت دی اور اس سلسلے میں خوب رنگ آمیزی کی ہے وہ شام کے سفر میں عیسائی راہب بحیرہ سے آپ ﷺ کی ملاقات کا واقعہ ہے، انہوں نے اس واقعے سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ نبی ﷺ کی تعلیمات دراصل بحیرہ راہب کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں، دوسرے لفظوں میں اسلامی تعلیمات کا ماخذ انسانی ذہن ہے، وحی والہام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، ڈریپر ''معرکۂ علم و مذہب'' میں لکھتا ہے:

''بحیرہ راہب نے بصرہ کی خانقاہ میں محمد (ﷺ) کو نسطوری عقاید کی تعلیم دی......، آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا...... بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں کے مذہبی عقاید نے آپ پر کہاں تک قابو پالیا تھا''۔(۱۴)

اس تاریخی روایت کے اخذ و قبول میں محدثین نے حد درجہ سہل انگاری کا ثبوت دیا ہے، بہ ظاہر اس روایت سے پیغمبر اسلام کی عظمت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے، اس لیے محدثین اور پھر ان کی پیروی میں مسلم مورخین نے اس کو کسی جرح ونقد کے بغیر قبول کرلیا اور اس سازش کو نہ دیکھ سکے جو اس اختراعی روایت کے پیچھے کام کررہی تھی، علامہ شبلی میری معلومات کی حد تک پہلے عالم اور مورخ ہیں جنہوں نے اس تاریخی بیان کو روایت اور درایت دونوں طریقوں سے جانچنے کے بعد اس کی صحت سے انکار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اسی طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت مذکور ہے، اس میں بحیرہ کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں، قیاس میں بھی نہیں آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقایق سکھا دیے جائیں اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرہ کے تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے، اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں، یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہیں تھا اور

اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا"۔ (۱۵)

پیغمبر اسلام کے بعد مستشرقین کے مذہبی تعصب اور ان کی علمی فتنہ انگیزی کا نشانہ قرآن مجید بنا ہے، اکثر مستشرقین کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں ہے، یہ محمد (ﷺ) کی تالیف ہے اور اس کی تعلیمات کا مصدر و ماخذ تورات اور انجیل ہیں جیسا کہ بحیرہ راہب کے واقعہ کے ضمن میں بیان ہوا، قرآن مجید پر مستشرقین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ وہ منظم کلام نہیں ہے بلکہ منتشر خیالات کا مجموعہ ہے اور اس میں عرب کی بدویانہ معاشرت کی جھلک نمایاں ہے اور ان ہی کے امور و مسائل سے اس میں بحث کی گئی ہے، دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ خدا کے بجائے ایک انسان کا کلام ہے۔

مستشرقین کے اس مذہبی تعصب اور غیر علمی رویے کی وجہ بالکل ظاہر ہے، قرآن نے یہودیوں اور عیسائیوں کے عقاید و اعمال پر شدید تنقیدیں کی ہیں اور ان کو باطل ٹھہرایا ہے، مثلاً عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث، عقیدۂ الوہیت مسیح، عقیدۂ کفارہ، اکل اموال بالباطل اور رہبانیت وغیرہ اور یہودیوں کا کتمان حق تورات کے احکام سے ان کی روگردانی، بت پرستی، واقعۂ ذبح کی پردہ پوشی، مصلوبیت مسیح اور ان کے ایک فرقے کا انکار آخرت وغیرہ، اگر مستشرقین یہ تسلیم کر لیتے کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا کہ اس کتاب میں ان کے عقاید و اعمال پر جو تنقیدات کی گئی ہیں وہ صحیح ہیں، اور یہ اعتراف قومی خودکشی کے مترادف تھا، اس لیے انہوں نے اس کتاب کے کلام خداوندی ہونے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کی تردید و تحقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

جارج سیل نے انگریزی زبان میں پہلی بار قرآن مجید کا ترجمہ مع تفسیر چار جلدوں میں ۱۷۳۴ء میں شایع کیا، اس کے دیباچہ میں اس نے ترجمہ و تفسیر کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ترجمہ و تفسیر ان لوگوں کے لیے ہے یعنی پادریوں کے لیے جو مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کوشاں ہیں، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ صرف پروٹسٹنٹ ہی کامیابی کے ساتھ قرآن مجید پر حملہ کر سکتے ہیں اور قدرت نے ان کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ وہ اس کو شکست فاش دیں، اس کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ نعوذ باللہ قرآن خود ثبوت فراہم کرتا ہے کہ وہ جعلی اور خود ساختہ ہے۔ (۱۶)

اس گندی ذہنیت کا مظاہرہ ۲۵/اپریل ۱۹۱۴ء کو لندن ٹائمز میں ایک مطبوعہ مضمون کی صورت میں ہوا جس میں دعویٰ کیا گیا کہ قرآن کے بعض ایسے قدیم اجزا ہاتھ آئے ہیں جو موجودہ قرآن سے مختلف ہیں، علامہ شبلی نے اس خبر کے متعلق خدشات کا اظہار کیا اور وہ بعد میں سچ نکلے اور ثابت ہو گیا کہ یہ دشمنان اسلام کی ایک سازش تھی، بعض مستشرقین نے نبی ﷺ کے مختلف ناموں کی بنیاد پر تحریف قرآن کا دعویٰ کیا لیکن یہ دعویٰ بھی ریت کی دیوار کی طرح جلد ہی زمیں بوس ہو گیا۔

پیغمبر اسلام اور قرآن کے بعد مستشرقین نے اپنی افترا پردازی کا خاص نشانہ خلفائے راشدین بالخصوص خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کو بنایا، فاروقی خلافت کی صورت میں اسلام کا سیاسی اور روحانی نظام جس شان دار صورت میں متشکل ہوا وہ مستشرقین کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، چنانچہ انہوں نے الزام لگایا کہ کتب خانۂ اسکندریہ خلیفۂ دوم کے حکم سے جلایا گیا تھا، جرجی زیدان مسیحی نے اپنی کتاب "تاریخ التمدن الاسلامی" میں اس الزام کو نئے دلایل سے آراستہ کر کے پیش کیا، علامہ شبلی عالم اسلام کے پہلے عالم اور مصنف تھے جنہوں نے اس مسیحی مورخ کی کتاب کا تنقیدی جایزہ لیا اور "الانتقاد علیٰ تاریخ التمدن الاسلامی" کے نام سے اس کا جواب لکھا، انہوں نے اس کتاب میں محکم تاریخی دلایل کے ساتھ بہترین علمی و تحقیقی اسلوب میں جرجی زیدان کے لغو الزام کی تردید کی، علامہ کی اس گراں قدر علمی و مذہبی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> "مشہور مسیحی مصری فاضل جرجی زیدان نے بیسویں صدی کے اوایل میں جب مصر سے اپنی مشہور کتاب تاریخ التمدن الاسلامی شایع کی تو علمی حلقوں میں اس کی دھوم مچ گئی، جرجی زیدان کی اس کتاب میں معلومات و مواد کی فراوانی کے ساتھ اموی و عباسی خلفا کے ساتھ حق تلفی کا معاملہ اور بعض تاریخی حقایق کی تحریف سے کام لیا گیا تھا اور کتب خانہ اسکندریہ کو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے آگ لگا دینے کی اس بے اصل داستان کو دہرایا گیا تھا جو عرصہ سے مسیحی مورخین کا وتیرہ بن گیا تھا، اس کتاب کے مطالعہ سے علامہ شبلی کی رگ حمیت بھڑک اٹھی اور مولف کا علامہ کی تعریف و توصیف اور ان کی کوششوں کا سراہنا،

بعدِ مکانی اور خود مصر میں جید علما کی موجودگی کوئی بھی چیز علامہ شبلی کی راہ میں حایل نہ ہوسکی، انہوں نے عربی زبان میں ۱۹۱۲ء میں الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی کے نام سے کتاب لکھی جس میں پرزور دلایل سے ان الزامات کی تردید کی، ہندوستان اور مصر کے علمی حلقوں میں اس کتاب کو بہت پسند کیا گیا اور اہلِ حمیت اور عرب فضلا بالخصوص علامہ سید رشید رضا نے ان کی اس خدمت کا ممنونیت وتشکر کے ساتھ ذکر کیا"۔(۱۷)

حقیقت یہ ہے کہ کتب خانہ اسکندریہ کی بربادی پر علامہ شبلی کی تحریر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے، ایک طویل مدت کے بعد عیسائی اہلِ علم نے اپنے پیش رووں کی اس علمی دروغ گوئی کا اعتراف کیا، اس معاملے میں مشہور مورخ گبن (م ۱۷۹۴ء) کی حق گوئی قابلِ تحسین ہے، یہ یورپ کا پہلا عیسائی مورخ ہے جس نے نہ صرف عیسائیوں کے مذکورہ الزام کی تردید کی بلکہ خود عیسائیوں کو کتب خانہ اسکندریہ کی بربادی کا ذمہ دار قرار دیا۔

متذکرہ بالا امور کے علاوہ مستشرقین نے بعض دوسرے مسائل کے بارے میں بھی معاندانہ خامہ فرسائی کی ہے، مثلاً تعددِ ازدواج حنفی فقہ کا رومن سے ماخوذ ہونا، اسلامی قانون کے ارتقا میں رومن لا کے اثرات، جزیہ، حقوق الذمیین اور سلاطینِ اسلام کی عیش کوشی وغیرہ، علامہ شبلی نے ان تمام امور سے متعلق مستشرقین کی غلط بیانیوں کی مدلل تردید کی ہے، پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"مولانا شبلی مدت العمر مستشرقین کی پیدا کی ہوئی گمراہیوں سے برسرِ پیکار رہے، قرآن کے عدیم الصحۃ ہونے کا دعویٰ جب لندن ٹائمس میں کیا گیا تو مولانا شبلی نے اس پر پرزور تنقید کرتے ہوئے کہا: "ہم بتادیں گے کہ قرآن مجید ہزاروں دلایل سے بھی انجیل نہیں بن سکتا"، اس ایک جملہ میں اس ذہنی کاوش کا پورا پس منظر سمٹ آیا ہے جو مستشرقین کی ان کوششوں کا محرک تھا، پادری بروچلی نے تعددِ ازدواج پر اعتراض کیے تو مولانا شبلی کا قلم حرکت میں آیا، جرجی زیدان کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی کی پردہ دری کا کام بھی مولانا شبلی ہی نے انجام

دیا، آرمینیا کے جھگڑوں میں مستشرقین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام میں عیسائی رعایا کے ساتھ ماضی میں شدید مظالم ہوچکے ہیں اور اسلام میں یہ ظلم جایز بلکہ ضروری قرار دیا گیا ہے، مولانا شبلی نے حقوق الذمیین اور الجزیہ لکھ کر ان الزام تراشیوں کو بے اثر کردیا"۔(۱۸)

بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ مستشرقین نے بلاشبہ قرآن، سیرت نبی عربی اور خلیفۂ دوم کے بارے میں دروغ گوئی اور افترا پردازی کی ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا، لیکن سائنسی علوم وفنون کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے مسلم علما وفضلا کے علمی کارناموں کے اعتراف وتحسین میں انہوں نے انصاف ودیانت کا حق ادا کیا ہے، پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"علوم اسلامی پر کام کرنے میں مستشرقین نے جس بے پناہ لگن، غیر معمولی انہماک اور مسلسل جدوجہد کا ثبوت دیا ہے اور اپنی پوری پوری زندگیاں مختلف اسلامی علوم وفنون کے مطالعہ اور تحقیق میں بسر کردیں، اس کو نظر انداز کرنا حق اور دیانت کے خلاف ہوگا، مولانا ابوالکلام آزاد نے مستشرقین کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا: "تاریخ وادب کی وہ بے بہا کتابیں جن کے الگ کردینے کے بعد عربی اور مسلمانوں کا کشکول خالی ہوجاتا ہے، صرف یورپ کی سرپرستی سے آج دنیا میں نظر آرہی ہیں"، مولانا شبلی نے طبقات ابن سعد، مناقب عمر بن عبدالعزیز، تجارب الامم وغیرہ کی اشاعت پر مستشرقین کو مبارک باد دی تھی اور ان کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کیا تھا، تاریخ، جغرافیہ، لغت، طب، فلسفہ، ادب پر قدیم مسلمان علما نے جو بیش بہا علمی کام کیے تھے ان کو مستشرقین کے ذوق نے تباہی سے بچایا اور علمی حلقوں تک پہنچایا"۔(۱۹)

اس میں کیا شبہہ جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ مستشرقین نے مسلمانوں کے مذہبی اور عقلی علوم و فنون کے تحفظ میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور اس کا اعتراف سب نے کیا ہے، علامہ شبلی کے اعترافات ہم نقل کرچکے ہیں لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے علمی کاموں کی اہمیت گھٹانے اور بسا اوقات ان کی اخفا کی کوشش کی ہے، اس علمی تعصب کی طرف

بہت سے اہل علم کی نظر نہیں جا سکی ہے اور اس میں پروفیسر نظامی بھی شامل ہیں۔ (۲۰)

اکثر مستشرقین نے اپنے معروف قومی تعصب کی وجہ سے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مسلم علما و حکما نے یونانی علوم میں کوئی اضافہ نہیں کیا اور اس باب میں ان کی کوئی خدمت اگر قابل مدح ہو سکتی ہے تو یہ کہ انہوں نے یونانی علوم و فنون کو ضایع ہو جانے سے بچالیا اور شرح و تفسیر کر کے ان کو قابل فہم اور لایق مطالعہ بنایا، مشہور ریاضی داں فلسفی برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

" Mohammad an civilization in its great days was admirable in the arts and in many tecnical ways, but it showed no capacity for independent speculation in theoretical matters. Its importance, which must not be underrated, is as a transmitter." (21)

ایک اور جگہ اس نے لکھا ہے:

" Arabs were better as commentators than as original thinkers." (22)

ایک مغربی فاضل نے مسلم حکما کے بارے میں یہ تحقیر آمیز جملہ لکھا ہے کہ وہ فلسفہ ارسطو کے قلی تھے (۲۳)، اکثر مستشرقین نے امام غزالیؒ کو اپنی تنقید کا نشانہ محض اس وجہ سے بنایا کہ انہوں نے اپنی کتاب "تہافۃ الفلاسفہ" میں ارسطو کے الہیاتی مسایل کی غلطیاں واضح کیں، مغرب کے اتنے بڑے امام فلسفہ کی توہین ان کے لیے ناقابل برداشت تھی، چنانچہ انہوں نے نہ صرف ان کی مذمت کی بلکہ یہ الزام بھی لگایا کہ وہ فلسفہ و سائنس کے دشمن تھے اور ان ہی کی وجہ سے مسلمان فلسفہ و سائنس کے میدان میں پیچھے رہ گئے، میکس میرہاف لکھتا ہے:

"اسلامی شریعت کے ابتدائی ایام میں تمام علوم کے مطالعہ کی اجازت ہر شخص کو حاصل تھی لیکن مشہور عالم دین اور فلسفی امام غزالیؒ (م ۱۱۱۱ء) کے عہد سے سائنسی علوم کا مطالعہ ممنوع قرار پایا مبادا کہ اسلامی عقاید بالخصوص آغاز کائنات اور اس کے خالق کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں"۔ (۲۴)

افسوس کہ بہت سے مسلمان اہل قلم مغربی فضلا کی اس افترا پردازی کا شکار ہوئے ہیں، مثال کے طور پر پروفیسر نسیم انصاری نے لکھا ہے کہ "ہمارے علما نے مسئلہ کے اس رخ پر غور نہیں کیا اور وہ غزالی کی باتوں میں آگئے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو ڈر لگنے لگا کہ کہیں سائنس پڑھ کر ہمارے عقاید خراب نہ ہو جائیں"۔ (۲۵)

ان اہل علم کو نہیں معلوم کہ امام غزالیؒ فی نفسہ فلسفہ کے مخالف نہیں تھے، ان ہی کی کوششوں سے بغداد کے مدرسہ مستنصریہ کے نصاب تعلیم میں فلسفہ کو داخل کیا گیا، ملحوظ رہے کہ ابتدا میں سارے عقلی علوم کا شمار، جن میں سائنسی علوم بھی شامل تھے، فلسفہ کے زمرے میں ہوتا تھا، امام غزالیؒ کو فی الواقع فلسفہ سے جو اختلاف تھا وہ اس کے چند مابعد الطبیعیاتی مسائل کے بارے میں تھا، حدوث و قدم عالم، خدا کا علم کلی اور حشر اجساد وغیرہ، ان کے نزدیک فلسفہ کی دیگر شاخوں میں کوئی ایسی بات نہیں جو مذہب کے خلاف ہو۔

بہرحال مستشرقین نے پوری کوشش کی ہے کہ کسی علمی تحقیق کا سہرا کسی مسلمان عالم کے سر نہ بندھے، چنانچہ جب بھی انہیں کسی مسلم فاضل کی کسی اہم علمی تحقیق کا سراغ ملا، وہ فوراً جھوٹ کا دفتر کھول کر بیٹھ گئے اور ارشاد ہوا کہ یہ کوئی نئی تحقیق نہیں، فلاں یونانی عالم کی کتاب میں یہ چیز پہلے سے موجود ہے اور مسلمانوں کی جن علمی تحقیقات کو وہ کوشش کے باوجود قدیم مغربی فضلا کی تحریروں میں دریافت نہ کر سکے، ان کی پردہ پوشی کی ہر ممکن کوشش کی، مثلاً علامہ ابن نفیس (علاء الدین ابوالحسن علی بن ابی حزم القرشی الدمشقی، المعروف بہ ابن نفیس، متوفی ۱۲۸۸ء) نے تیرہویں صدی میں ریوی دوران خون (Pulmonary blood circulation) کو دریافت کر لیا تھا لیکن مغرب کے اہل علم نے اس دریافت کا سہرا میچل سرویٹس (م ۱۵۵۳ء) کے سر باندھ دیا، جب انیسویں صدی میں قطعی دلایل سے ثابت ہو گیا کہ یہ تحقیق علامہ ابن نفیس کی ہے تو بھی وہ مدتوں اس کے اعتراف سے پہلو تہی کرتے رہے، آخر میں میکس میرہاف نے بادل ناخواستہ تسلیم کر لیا کہ ریوی دوران خون کی دریافت ابن نفیس نے کی ہے لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے خود ڈسکشن (چیر پھاڑ) نہیں کیا تھا، دوسرے لفظوں میں اس نے ریوی دوران خون کا جو انکشاف کیا وہ محض قیاسی نوعیت کا تھا اور بالکل اتفاق سے درست نکلا۔ (۲۶)

مستشرقین کے قومی تعصب اور ان کی غیر علمی روش کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ انہوں نے اکثر مسلم حکما وفضلا کے ناموں کو تبدیل کردیا تاکہ یہ معلوم نہ ہوسکے کہ یہ مسلم تھے، جنھوں نے عہدِ وسطیٰ میں علم وتحقیق کے چراغ روشن کیے اور مغربی دنیا کو جدید علوم وفنون سے آشنا کیا، چنانچہ انہوں نے ابن سینا کو Avicenna، رازی کو Rhazes، امام غزالی کو Al-Gazel، ابن رشد کو Averroes اور ابن الہیثم کو Al-Haizam بنادیا، دوسرے مسلم علما وفضلا کے ناموں کے ساتھ بھی انہوں نے یہی سلوک کیا ہے، اس سے قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ مستشرقین خالص عقلی علوم کے باب میں بھی کس درجہ شدید قومی تعصب میں مبتلا تھے۔

گزشتہ صفحات میں مستشرقین کی علمی خدمات کے اجمالی جائزے سے دو باتیں بالکل واضح ہوگئیں، ایک یہ کہ مغربی فضلا نے اسلامی علوم وفنون کو جن میں مذہبی علوم بھی شامل ہیں، جس غیر معمولی کاوش سے محفوظ کیا وہ قابل تعریف ہے لیکن ان کے مقاصد اچھے نہیں تھے اور ان کا علمی رویہ غیر معروضی تھا، اس علمی خدمت کے پیچھے ان کی صلیبی ذہنیت کارفرما تھی، دوسرے یہ کہ مستشرقین کی علمی خیانتوں کی پردہ دری میں علامہ شبلی نے جو مہتم بالشان علمی جدوجہد کی وہ قابل ستایش ہے اور اس راہ میں مزید کاوش کی دعوت دیتی ہے۔

حواشی

(۱) علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڈھ، ۱۳۳۹ھ، ج ۱، ص ۸۴-۸۶ (۲) ایضاً (۳) مقالات شبلی، دار المصنفین، اعظم گڈھ، ۱۹۳۴ء، ج ۴، ص ۱ (۴) ایضاً، ج ۴، ص ۶۷ (۵) ایضاً (۶) ایضاً، ج ۴، ص ۵۴ (۷) سیرت النبی، ج ۱، ص ۸۹-۹۱ (۸) سر ولیم میور نے جب "دی لائف آف محمد ﷺ" لکھی تو اس کو دیکھ کر بہ قول سر سید ان کا دل کباب ہوگیا، اس کتاب کی خطرناکی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ سر سید اس کا جواب لکھنے کے لیے انگلینڈ گئے تاکہ وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کرکے اس مستشرق کے دجل وفریب کا پردہ چاک کرسکیں، چنانچہ "خطبات احمدیہ" کے نام سے ایک معرکہ آرا کتاب لکھی جو آج بھی اس موضوع پر ایک مفید اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے (۹) اس مستشرق (موٹگمری واٹ) نے آں حضور ﷺ کی لائف، محمد ایٹ مکہ، محمد ایٹ مدینہ اور محمد دی اسٹیٹمین کے نام سے لکھی (۱۰) سیرت النبی، ج ۱، ص ۱۵۲ (برحاشیہ) (۱۱) ایضاً، ج ۱، ص ۱۵۱ (برحاشیہ) (۱۲) ایضاً، ج ۱، ص ۱۷۹، ۱۸۰ (برحاشیہ) (۱۳) ایضاً

(۱۴) ایضاً، ج ۱، ص ۱۶۷ (۱۵) ایضاً (۱۶) اسلام اور مستشرقین (مجموعہ مضامین)، مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڈھ، ۱۹۸۶ء، ج ۲، ص ۱۰۷ (۱۷) ایضاً، ج ۲، ص ۲۸۰، ۲۸۱ (۱۸) ایضاً، ص ۲۲ (۱۹) ایضاً، ص ۲۳ (۲۰) جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے، علامہ شبلی نے اپنے مختلف مقالات میں مسلم فلاسفہ کی علمی خدمات کو نمایاں کیا اور بتایا کہ انہوں نے یونانی فلسفہ میں کیا اضافہ کیا، کن کن مسائل میں ان سے اختلاف کیا اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کی، (مقالات شبلی - فلسفیانہ مضامین، ج ہفتم) لیکن دیگر شعبہ ہائے علم میں مسلم فضلا کی علمی خدمات کے بارے میں مستشرقین کی غلط بیانیوں کا ازالہ نہ ہوسکا (۲۱) ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی، برٹرینڈ رسل، لندن، ۱۹۵۷ء، ج ۱، ص ۴۹۸ (۲۲) ایضاً، ص ۳۰۶ (۲۳) مقالات شبلی (فلسفیانہ مضامین) دار المصنفین، اعظم گڈھ، ۱۹۶۵ء، ج ہفتم، ص ۱ (۲۴) دی لیگیسی آف اسلام، مرتبہ سر تھومس آرنلڈ والفریڈ ہیوم، آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۴۷ء، ص ۳۳۷ (۲۵) ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، جنوری ۱۹۸۸ء، ص ۲۵ (۲۶) عبد الکریم، ابن النفیس، مطبوعہ پیرس، ۱۹۵۲ء، ص ۴۴۔

دار المصنفین کا سلسلہ اسلام اور مستشرقین

مفتاح الخزائن

از:- ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب صاحب☆

میں نے سید نثار علی بخاری بریلوی کی مشہور کتاب ''انشائے دلکشا'' (۱۲۰۸ھ/۱۸۹۳-۹۴ء) پر ایک تعارفی مضمون ماہ نامہ معارف اعظم گڈھ بابت جون ۲۰۰۰ء میں شایع کرایا تھا، اس وقت میرے علم میں سید نثار علی بخاری بریلوی کی تالیف مسمی مفتاح الخزائن نہیں تھی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی وفات (۸/نومبر ۲۰۰۴ء) کے بعد ان کی تالیفات کی فہرست ماہ نامہ اردو دنیا، دہلی بابت جنوری ۲۰۰۵ء کے ''گوشۂ فاروقی'' میں شایع ہوئی (ص ۲۸)، جو میری نظر سے گزری اور مجھے معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب مرحوم نے مفتاح الخزائن کا اردو ترجمہ شایع کرایا ہے، لہذا میں نے مفتاح الخزائن اور اس کے اردو ترجمے کی تلاش کردی تاکہ یہ کتاب بھی میرے مطالعہ میں آجائے، میں نے اس سلسلے میں اپنے کرم فرماؤں سے رجوع کیا اور پایان کار ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی رام پوری نے ۶/اپریل ۲۰۰۵ کو مفتاح الخزائین میرے غریب خانے پر تشریف لاکر میرے سپرد کردی اور اردو ترجمے کی فراہمی کا وعدہ فرمایا، میں اس عنایت کے لیے ڈاکٹر شعائر اللہ خاں کا ممنون ہوں۔

خیر کتاب تو مل گئی لیکن کوشش بسیار کے باوجود بخاری کے حالات اب بھی دست یاب نہیں ہوئے، ان کے متعلق بس اتنا ہی معلوم ہوسکا کہ ان کے والد کا نام سید اعظم علی بخاری بریلوی تھا، ان کا تخلص نثار تھا، ان کو حضرت خواجہ عبدالہادی چشتی سے بیعت وخلافت حاصل تھی (مفتاح الخزائن، پیش گفتار)، ایک فاضل وقت، عالم تھے، دوسرے شہروں کے لوگ ان کی شاگردی کرنے آتے تھے، انشائے دلکشا تصنیف کی (تاریخ روہیل کھنڈ، ص ۲۷۵)، انشائے دلکشا

☆ ۳۶/۷ پھول والان، بریلی ۲۴۳۰۰۳-۔

فارسی کی درسی کتب میں شامل تھی جو اپنی تالیف کے ۹۳ سال بعد شعلہ طور پریس، کان پور، ماہ دسمبر ۱۸۸۷ء میں طبع ہوئی تھی، انشائے دلکشا خطوط نویسی سے متعلق تھی جس کا مقصد فارسی سکھانا تھا۔

مفتاح الخزائن میں بخاری نے اپنے پیر و مرشد خواجہ شاہ عبدالہادی چشتی صابری امروہوی کے ملفوظات درج کیے ہیں، ان کے حالات مندرجہ ذیل ہیں:

پیدایش ۱۴/رجب بروز چہارشنبہ ۱۰۸۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۶۷۳ء، صدیقی النسب، جدامجد شیخ عبدالسمیع نے امروہہ میں سکونت اختیار کی، ان کے فرزند شیخ محمد حافظ اور ان کے فرزند حضرت عبدالہادی چشتی، تعلیم مکتب سے شروع ہوئی، مکتبی تعلیم کے زمانے میں ایک مجذوب نے اپنے منہ میں سے کوئی چیز نکال کر ان کو بہ اصرار کھلادی جس کے نتیجے میں ان میں جذب کے اثرات پیدا ہوگئے، دنیا اور اہل دنیا سے وحشت، جنگل میں اقامت، تحصیل علم سے طبیعت اچاٹ اور صحرانوردی کا شوق پیدا ہوگیا، ان کے والد صاحب نے وحشت دور کرنے کے خیال سے ان کی شادی کردی، شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیخ ظہوراللہ تھا لیکن ازدواج کے بعد بھی ان کا دنیا سے بیزاری کا سلسلہ جاری رہا، امروہہ کے مضافات میں جنگلی پھل اور پتے کھاکر عبادت وریاضت میں مشغول رہے، اسی زمانے میں ایک مجذوب یتیم شاہ صحرائی کے مرید ہوئے، یتیم شاہ کی وفات کے بعد حضرت شاہ عضدالدین کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، روہیل کھنڈ میں ان کے مریدوں کی تعداد زیادہ تھی، وفات چہارم رمضان ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷/اکتوبر ۱۷۷۶ء، کو موضع کھائی کھیڑا، ضلع بریلی میں ہوئی، جہاں ان کے جسد کو بہ طور امانت سپرد خاک کیا گیا، بعد کو ان کے صاحب زادے حضرت شیخ ظہوراللہ ان کا تابوت اس جگہ سے نکال کر امروہہ برائے تدفین لے گئے، ان کی وفات کے بعد سجادگی کا سلسلہ قایم ہوا، موجودہ سجادہ شاہ محمود الہادی صاحب ہیں (پیش گفتار، مفتاح الخزائن)، بخاری نے اپنے پیر و مرشد کی وفات کا وقت دوپہر بتایا ہے، بخاری نے یہ اطلاع بھی دی کہ آں حضرت کی نعش کیم شوال کو قبر سے برآمد گئی اور آٹھ شوال کو امروہہ میں دفن کی گئی، قطعہ فی التاریخ مندرجہ ذیل ہے ؎

سوے ملک جاوداں رحلت نمود   شاہ عبد الہادی والا مقام
آں محب خاصۂ پروردگار   بے تعلق بود از خاص و عام

روز جمعہ چار مین از ماہ صوم — بود کآمد از در ایزد پیام
سال تاریخش بجستم از خرد — تا بود آں یادگار ہر کدام
گفت ہاتف بادل قلب سلیم — رفت ہادی رابع ماہ صیام

(مفتاح الخزائن ص ۲۰۶-۲۰۷)

آخری شعر کے پہلے مصرعے میں قلب کے لام کے ۳۰ عدد اور مصرعہ آخر کے ۱۱۶۰ جوڑنے سے ۱۱۹۰ھ کے اعداد برآمد ہوں گے جو تاریخ وفات ہے۔

سید نثار علی بخاری بریلوی نے مفتاح الخزائن کی تالیف شیخ الاسلام شاہ نزہت علی شاہ کی استدعا پر کی تھا، آں موصوف حضرت شیخ عبدالہادیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور چاہتے تھے کہ یہ پیر و مرشد کے ملفوظات اور حالات کو یکجا کر دیا جائے کیوں کہ مطالعہ کتب واحوال صوفیہ امراض باطن کے لیے نوشدارو اور نفس کی رعونت کو قتل کرنے کے لیے صمصام اور وسیلہ اخروی و سعادت دارین ہیں (مفتاح الخزائن، ص ۷)، لہذا بخاری کے بہ قول:

"خاکسار بہ نیت للہ بے خیال تحسین و آفریں باجتماع و تحریر چندے خوارق عادات و کشف و کرامات آں مقتدائے سالکان مراحل طریقت پیشوائے رہ رواں حقیقت عنقائے قاف جبروت شہباز ہوائے لاہوت ناصب لوائے آزادی شاہ عبدالہادی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کمر جہد بربست و باعث ایں مثنویات اخروی شاہ نزہت علی شاہ گشتند کہ خود آمادہ مثنویات و ذخیرۂ سعادت شدند و خاکسار را داخل ثواب عظمی ساختند"۔ (مفتاح الخزائن، ص ۲۰۸)

مفتاح الخزائن تاریخی نام ہے، قطعہ التاریخ مندرجہ ذیل ہے

چو کردم عرض در چشم خریدار — بدست خود نمایاں ایں دفائن
بگفتا حاتمم از قدر و قیمت — بگو تاریخ — مفتاح الخزائن

۱۲۲۸ھ

بخاری نے مفتاح الخزائن کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے:

موج اول: مشعر بہ بعضی احوال ابتدا و رسیدن درویشی اجنبی در دبستان والش

دادن او بآن حضرت و تنفر گزیدن ایشان از صحبت مردمان و تالیف گرفتن بدشت و بیاباں۔

موج دوم: متضمن اتفاق ملاقات آن حضرت بہ شاہ دل آگاہ یتیم شاہ در صحرا و فیض یابی از ایشان از ان جا رسیدن بخدمت شاہ عضد الدین بہ ہدایت یتیم شاہ و اخذ فوائد عرفاں از خدمت ایشاں و استقامت گزیدن در صحرای حاذق پور۔

موج سوم: مشتمل بر قیام داشتن آن سرچشمہ آگاہی بموضع براہی باشارت فرمان جناب حضرت رسالت پناہی در عالم رویا و بیان حالات و واردات آنجا۔

موج چہارم: حاوی بہ تشریف آوردن آن حضرت بہ ضلع بریلی و رخت اقامت انداختن بہ باغ مولوی احسن خاں برگزیدۂ انام و از اں جا رو کردن بموضع کھائی کھیڑہ باستدعای قاضی صدر الشریعت و مولوی شیخ الاسلام و تا دم واپسیں ورزیدن قیام دراں زمین فرخندہ فرجام۔

ہر باب میں ضمنی عنوان "منقول است" کے تحت واقعات و حالات و ملفوظات کو پیش کیا ہے، اس طرح ان چار ابواب کے ذریعہ حضرت خواجہ عبدالہادی چشتی امروہویؒ کی سوانح حیات اور کمالات کو پیش کر دیا ہے، بخاری نے آں حضرت کے ملفوظات و حالات جو خود دیکھے یا سنے یا دوسرے ثقہ لوگوں نے بیان کیے ان کو جمع کر دیا، بخاری نے تحریر کیا:

"کہ آنچہ از کلمات زاکیات و خوارق عادات و نصائح و مواعظ و غیرہم تصریحاً یا ایماءً از زبان ہدایت ترجمان شیخ بشنود یا ہر چہ از حالات برکات ثمات زبانی فقیران اصغا نماید آن را بحیط نظم و نثر کشیدہ"۔ (مفتاح الخزائن، ص ۸)

مفتاح الخزائن کے تالیفی پہلو سے متعلق چند امور قابل توجہ ہیں:

۱- یہ کتاب حضرت شیخ عبدالہادیؒ کی وفات (۱۷۷۶ء) کے ۳۷ سال بعد تالیف ہوئی تھی، کیا آں حضرت کے ملفوظات جو مولف نے سنے یا اس کو ثقہ ارادت مندوں سے معلوم ہوئے، اشتباہات سے بالا مانا جا سکتا ہے؟

۲- ملفوظات پر ماہ و سال کا حوالہ نہیں ہے، بعض تاریخی واقعات سے ہی ماہ و سال کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

۳- آں حضرت جس مقام پر مقیم ہوئے وہاں کے حالات و ملفوظات بخاری نے کتاب

میں درج کیے، اگر اس مقام پر ان کا قیام ایک بار سے زیادہ ہوا تو زمانی ترتیب میں اشتباہ وارد ہوا اور ماہ وسال کے حوالے کے بغیر الجھن پیدا ہوئی۔

۴- بخاری نے آں حضرت کے ملفوظات، کرامات اور خوارقِ عادات واقعات پر ہی نظر رکھی اور وہ بھی اس حد تک کہ اس کتاب کو ''خوارق نامہ'' کہا جاسکتا ہے۔

مثال میں اس عہد کا اہم ترین واقعہ شاہ عالم کا تختِ دہلی پر جلوس کرنا اور امیر الامراو نواب نجیب الدولہ (م ۲۴/ستمبر ۱۷۷۰ء) کے علاقے کی مرہٹوں کے ہاتھوں تباہی تھی، مفتاح الخزائن میں اس سیاسی واقعے کا ذکر بدون حوالۂ ماہ وسال ہوا:

''...شاہ عالم پناہ از ملک بنگالہ نہضت فرمود، داخل الہ آباد شدند وچندے دران جا بسر بردہ جانب چکلہ کوڑا عنان عزیمت معطوف داشتند آں حضرت از دوندے خان کہ در رؤسائے افاغنہ مستقل المزاج بود پرسیدند کہ اگر شما مرافقت سلطانی کنید در باب طلب بادشاہ بدیار شاہ جہاں آباد ایمائے بقلم آید دوندے خاں بسبب دریافت احوال باہرۂ آں حضرت قبول نمود آں حضرت بپادشاہ قلمی فرمودند کہ عزیمت دار الخلافہ مبارک است، شاہ متوجہ شاہ جہاں آباد بود وہم دران ایان افواج فوج دکھنیاں بمقابلۂ نواب ضابط خان خلف نواب نجیب الدولہ بہادر سرگرم جنگ وشورش بادشاہ بہ یلغر تمام داخل لشکر دکھنیاں شدند وازمشیت کارگزاراں قضا وقدر درہماں نزدیکی دوندے خان از حکومت اقطاع ملک فانی بملک جاودانی رحلت کردند واز پسرانش کہ ہیچ کس اہلیت ریاست و قابلیت تمیز مردم شناسی نداشت بجائے خان مرحوم متمکن شدند...... وقتیکہ افواج جنوبیان بہ تخت وتاراج ایں ملک ید طولی نمودند آں حضرت راپاس حرمت وناموس غربا براں داشت کہ بخدمت شاہ ظاہر ساختہ ایں بلیہ راازیں ملک دفع باید کنانید...'' (ص ۱۵۵-۱۵۶)

یہ تاریخی واقعہ زمانی ترتیب کے ساتھ اس طور پر ہے:

۱- شاہ عالم مئی ۱۷۷۱ء میں چکلہ کوڑا الہ آباد سے براہ فرخ آباد دہلی کے لیے روانہ

ہوا تھا۔

۲- مرہٹوں نے شاہ عالم کو ۲۵/دسمبر ۱۷۷۱ء کو دہلی کے تخت پر بٹھایا۔

۳- مرہٹوں نے ۱۹/ذی قعدہ ۱۱۸۵ھ/۲۳/فروری ۱۷۷۲ء کو گنگا عبور کر کے امیر الامرا نواب نجیب الدولہ کے پسر ضابط خان سے جنگ کی، یہ معرکہ جنگ سکرتال کہلاتا ہے، جنگ سکرتال میں شاہ عالم اور مرہٹوں کی فوج نے نجیب آباد اور اس کے مضافات کو برباد کردیا۔

۴- شاہ عالم نے دہلی روانہ ہوتے وقت روہیلہ سرداروں سے مرافقت کی درخواست کی تھی، پٹھانوں میں صرف احمد خان بنگش اس کا حلیف تھا، اس کے مرنے کے بعد (۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء) اس کے جانشین نواب دلیر ہمت خاں مظفر جنگ (م ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء) نے جنگ سکرتال میں شاہ عالم کا ساتھ نہیں دیا۔

۵- نواب دوندے خاں کی وفات جنگ سکرتال سے قبل ۲/محرم ۱۱۸۵ھ/۲۸/اپریل ۱۷۷۱ء کو ہوچکی تھی، اس وقت شاہ عالم الہ آباد سے دہلی کے لیے روانہ نہیں ہوا تھا۔ (اخبار الصنادید، ج ۱، ص ۳۹۵ تا ۴۰۸، حیات حافظ رحمت خاں طبع ثالث، ص ۱۷۷ تا ۱۸۴)

کیا اچھا ہوتا کہ بخاری کے بیان کا اشتباہ دور کرنے اور ماہ وسال کا تعین کرنے کے لیے تاریخی حقایق کو سامنے رکھ کر حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کیا جاتا۔

دوسری مثال- بخاری نے نواب دوندے خاں حاکم بسولی (ضلع بدایوں) کا ذکر تین مواقع پر کیا (ص ۱۴۱، ۱۵۵، ۱۵۸) یعنی آں حضرت کی بسولی میں آمد، اس کے بعد جنگ سکرتال اور آخر میں آں حضرت کا بسولی چھوڑ کر جانا جس کے دو تین ماہ بعد دوندے خاں کی موت ہوگئی، تاریخی اعتبار سے واقعاتی تسلسل اس طور پر ہوگا کہ آں حضرت بسولی تشریف لے گئے اور نواب دوندے خاں جو اس وقت درد قولنج میں مبتلا تھے، ان کی شفایابی کی دعا کی، اس کے بعد آں حضرت بسولی سے چلے گئے (یعنی اوایل ۱۷۷۱ء میں) اس وقت نواب دوندے خاں غشی کے مرض میں مبتلا تھے جس کے دو تین ماہ بعد ان کی وفات ہوگئی، اس کے بعد جنگ سکرتال ہوئی، اس طرح واقعاتی بے ترتیبی کو، قاری کے افادے کے لیے، حواشی کے ذریعہ رفع کردینا چاہیے تھا۔

مفتاح الخزائن میں دیگر ہم عصر سیاسی واقعات کا ذکر ملتا ہے، مثلاً محمد شاہ کا علی محمد خاں

کے قلعہ بنگڈھ (آنولہ بریلی) پر حملہ اور موضع بھٹورا بریلی میں جنگ دو چوڑا (۲۴؍اکتوبر ۱۷۹۴ء)۔ محمد شاہ قلعہ بنگڈھ پر حملہ کرنے کے لیے ۲۴؍محرم ۱۱۵۸ھ کو دہلی سے روانہ ہوا تھا، اسی سال ۵؍جمادی الاول کو مہم سے فارغ ہو کر ۳۰؍جمادی الاول کو دہلی پہنچا، اس طرح حملہ بنگڈھ کا تعین ۲۴؍محرم ۱۱۵۸ھ اور ۳۰؍جمادی الاول ۱۱۵۸ھ کے مابین ہونا چاہیے (اخبار الصنادید، ج ۱، ص ۱۵۱)، بخاری نے یہ تاریخ قوسین میں ۱۱۸۹ھ اور الفاظ میں "درسال یک ہزار و پنجاہ و نہ ہجری" (ص ۹۳) تحریر کی ہے، دونوں تاریخیں درست نہیں ہیں، صحیح تاریخ ۱۱۵۸ھ ہے، یہ غلطی بھی محتاج حاشیہ رہ گئی۔

بخاری نے سیاسی واقعات کے اظہار کے وقت اپنے مرشد کے خوارق عادات کمالات پر ہی نظر رکھی اور ہر واقعے کو ان کی دعا یا بے التفاتی کا نتیجہ بتایا، مختصر یہ کہ مفتاح الخزائن کو ہم عصر تاریخ کے معتبر ماخذ کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

مفتاح الخزائن کی خارق عادت فضا میں کہیں کہیں آں حضرت کے ملفوظات کی تہہ میں تصوف اور شرع متین کے نکات مل جاتے ہیں جن سے ان کی فکر و نظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور قاری کی دل چسپی میں اضافہ ہوتا ہے، چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

صحبت درویشاں: "کیمیائے است کہ در صحبت درویشاں است" (ص ۱۹۲)۔

بہمہ حال اللہ ہی اللہ: "...... کہ فقیر را باید کہ بہمہ حال مطمح نظر او غیر از حق نباشد و نظر را از ماسوی اللہ بدوزد و بہر امیدے کہ دارد از و دارد" (ص ۱۹۲)۔

جوہر عشق: "...... کہ طالب را در راہ طلب عشق رہبر باید تا دریں راہ جد و جہدے نماید واگر بوئے عشق ندارد و ایں دولت خداداد میسرش نیست سعی و کوشش بجائے او محض بے سود است ...... ایں جوہر ذاتی است کہ حق تعالی در دل او می نہد ہم چناں فقیر را عشق و ذوق باید کہ آں وسیلہ بحصول مقامات است الحق کہ دریں راہ ذوق و شوق و عشق و سوز و گداز در کار است، بیت

کار مرداں روشنی و گرمی است   کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

(ص ۱۸۵-۱۸۶)

فقیر کا مقام: "...... کہ فقیر آنست کہ ہر گاہ کہ گوید "ربی" ہماں زماں جواب بگوش

سعادت بشنود کہ "لبیک عبدی" (ص ۱۸۵)۔

شریعت و طریقت: "...... کہ در ابتدائے سلوک بخاطر حضور می گرد کہ در احکام شریعت و طریقت مغایرتے است ...... آں وقت آں خطرہ کہ بخاطر مزمن بود برطرف گردید و معلوم شد کہ حاکم ہر دو طریق حضرت حق است و مباینت اعتباری است نہ مغایرت حقیقی" (ص ۱۸۲-۱۸۳)۔

مسئلہ وحدت الوجود: مولوی ممدوح (مولوی غلام عمر صاحب بریلوی) در قیل و قال مسعود مسئلہ وحدت وجود در ابیان شروع کردند آں حضرت فرمودند کہ ازیں حرف توبہ باید کرد چنانچہ مولوی صاحب سہ مرتبہ توبہ بر زبان آوردند باز آں حضرت فرمودند کہ تا وقتیکہ ایں حالت طاری نشود و ایں حال منکشف نگردد گفتن ایں کلمات محض کفر و زندیقی است" (ص ۱۸۲)۔

دعائے فقیر کامل: "...... کہ دعائے فقیر سہ خاصیت دارد اول خاصیت تخم دوم خاصیت درخت سوم خاصیت ثمر ...... یعنی کہ دعائے حکم ثمر دارد در حق ہماں شخص است کہ متدعی است واللہ تعالی در بارہ او مستجاب سازد، دعائے کہ بہ درخت مناسبت دارد در حق فرزنداں آں شخص بعد چندے ظہور خواہد کرد و دعائے کہ حکم تخم دارد در فرزنداں فرزندانش واقع خواہد شد پس معلوم شد کہ دعائے فقیر کامل ضائع نمی رود و معطل نمی باشد" (ص ۱۸۵)۔

بخاری نے آں حضرت کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے آں حضرت کی زبان سے بیان کی ہوئی حکایات کو بھی نقل کیا ہے، مثلاً آں حضرت نے قناعت کے موضوع پر ایک حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک درویش کے یہاں ایک مسافر وارد ہوا، درویش نے بے نمک نان خشک بہ طور ماحضر پیش کی، مسافر نے نمک کی خواہش ظاہر کی، درویش نے گھر میں جا کر اپنی دختر سے دریافت کیا کہ نمک موجود ہے؟ چوں کہ درویش کے گھر میں نمک موجود نہیں تھا اس نے وضو کا لوٹا بقال کے یہاں گرو رکھ کر نمک خریدا اور مسافر کو پیش کیا، مسافر نے کہا کہ یہی توکل ہے کہ میں نے خشک روٹی اور پارۂ نمک پر قناعت کر لی، اس بات پر درویش کی دختر مسکرائی اور کہا "اے شیخ بہ مزۂ قناعت و لذت توکل متلذذ می شدی آفتابہ ما بدکان بقال نرفتے" (اگر تو قناعت کے مزے اور توکل کی لذت سے آشنا ہوتا تو میرا آفتابہ بقال کی دوکان پر نہیں پہنچتا)۔ (ص ۱۸۳)

مفتاح الخزائن کی فہرست اشخاص و کتب و مقامات میں جو کتاب کے آخر میں شامل

ہے، جو اسابریلی کے حوالے سے ملتے ہیں، ان میں مولوی محمد احسن خاں اشخاص کی فہرست میں اور موضع کھائی کھیڑا مقامات کی فہرست میں اہم ترین معلوم ہوتے ہیں، چوں کہ مفتاح الخزائن حواشی، تعلیقات، نقشہ جات اور تصاویر سے عاری ہے، مولوی محمد احسن خاں اور موضع کھائی کھیڑا کے متعلق معلومات بہ طور نمونہ درج کی جاتی ہیں تاکہ ایک مخصوص علاقے کی تاریخ و ثقافت کی بازیافت میں مدد ملے اور اسی نہج پر آیندہ یہ کام مکمل کیا جائے۔

مفتاح الخزائن میں مولوی محمد احسن کا ذکر حضرت شیخ عبدالہادی چشتیؒ کے ورود بریلی کے سلسلے میں آیا ہے، آں حضرت نے بریلی وارد ہونے کے بعد مولوی محمد احسن خاں کے باغ میں قیام کیا اور اس کے بعد براہی واپس چلے گئے (ص ۱۶۹-۱۷۰)، مولوی محمد احسن خاں کے حالات عبدالعزیز خاں عاصی بریلوی نے تاریخ روہیل کھنڈ میں درج کیے جو مندرجہ ذیل ہیں:

"مولوی محمد احسن خاں خاندان حضرت عباس سے، مورث اعلا مولانا خاصۃ اللہ سنبھل آئے اور پھر یہ خاندان بدایوں منتقل ہوا، جس نے اکبر کے دینِ الٰہی کی مخالفت کی اور اکثر اکابر خاندان شہید ہوئے، دایہ ایک بچہ (عبدالسلام) کو لے کر بریلی آگئی جن کی ساتویں پشت میں محمد احسن خاں عالم گیر ثانی کے زمانے میں وزیر ہوئے اور مستعفی ہوکر بریلی چلے آئے۔

حسب فرمان ۱۰؍ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ خطاب خانی، مواضعات جمعی پنچلک دام آنہ پرگنہ بریلی عطا ہوئے جو شجاع الدولہ نے ضبط کر لیے، لارڈ ولزلی نے بارہ سو روپے سالانہ وثیقۂ دوامی مقرر کردیا، سند عطائے مواضعات مہری نظام الملک آصف جاہ اور شجرہ ہم نے دیکھ لیا ہے"۔ (ص ۳۱۰-۳۱۱)

اس تحریر سے کچھ رہنمائی ملتی ہے، مولوی محمد احسن خاں قیاساً محمد شاہ کے عہد (۱۷۱۹ء-۱۷۴۸ء) میں پیدا ہوئے، عزیز الدین عالم گیر ثانی کے عہد حکومت (۱۱۶۷ھ-۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۴ء-۱۷۵۹ء) میں وزیر ہوئے، ۱۰؍ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۸؍ ستمبر ۱۱۵۴ء کو خطاب خانی اور پرگنہ بریلی میں پانچ لاکھ کی دوامی جاگیر عطا ہوئی، جنگ روہیلہ (۲۳؍ اپریل ۱۷۷۴ء) میں نواب شجاع الدولہ (م ۱۷۷۵ء) نے فتح یاب ہونے کے بعد مولوی محمد احسن خاں کی جاگیر ضبط

کرلی، بعد کو لارڈ ولزلی نے جو ۱۷۹۸ء سے ۱۸۰۵ء تک ہندوستان کا گورنر جنرل رہا، بارہ سو روپے سالانہ کا وثیقہ مقرر کردیا، قیاساً مولوی محمد احسن خاں مفتاح الخزائن کی تالیف (۱۸۱۳ء) کے وقت حیات تھے کیوں کہ بخاری نے ان کی وفات کا ذکر نہیں کیا ہے، ان کی سکونت محلہ قاضی ٹولہ شہر کہنہ بریلی میں تھی جہاں شہر کے عمائد قاضی صدر الشریعت اور مولوی شیخ الاسلام رہتے تھے، شاید موضع کھائی کھیڑا ان کی جاگیر میں شامل تھا۔

موضع کھائی کھیڑا بریلی پیلی بھیت شاہ راہ کے کنارے موجودہ تحصیل نواب گنج میں، طول البلد ۸۲- اور عرض البلد ۲۷، مواضعات بہار اور رٹھورا کے بعد اور حافظ گنج سے پہلے کیلاش ندی کے قریب واقع ہے، بخاری نے موضع کھائی کھیڑا کا بریلی سے فاصلہ "ہفت کروہ" بتایا (ص ۱۷۹) جو ۲۵ کلومیٹر کے مساوی ہوتا ہے، حضرت شیخ عبدالہادیؒ چشتی قدیم سے ہی وہ مقامات پسند کرتے تھے جو آبادی سے خالی ہوں اور جہاں دشت و صحرا ہو، لہٰذا جب انہیں کھائی کھیڑا میں پسند خاطر فضا کا علم ہوا تو وہیں مقیم ہوگئے اور:

"......بیشتر روزانہ بسیر صحرا پرداختے وشب بمکان درساختے، دراں ہنگام بہ موضع مذکور ہر یکے از علما و فقرا و روسائے بریلی وغیرہ مکانات بامتاع کمالات وخرق عادات بہ ملازمت مملوٗ البرکت حاضر شدندے و وصول سعادت خدمت کیمیا خاصیت را از مغتنمات می دانستند......"۔ (ص ۱۷۹)

آں حضرت کی وفات کھائی کھیڑا میں ہوئی تھی۔

سید نثار علی بخاری بریلوی اپنے زمانے کے مشہور فارسی انشا پرداز تھے، انشائے دلکشا ان کی معروف تالیف ہے، مفتاح الخزائن کے آغاز و اختتام کے اوراق کو چھوڑ کر جو ان کے زورِ قلم کا نمونہ ہیں، تمام کتاب سہل صاف اور شستہ اسلوب سے متاثر کرتی ہے، ایک مجذوب سالک کی حیات کرامات اور خوارق پر مبنی کتاب میں بخاری نے الفاظ و اصطلاحات تصوف کی ثقالت اور اسلوب بیان کی دقاقت سے گریز کیا اور سریع الفہم عبارت تحریر کی جو لائق ستایش ہے، بخاری نے تحریر کیا:

"......ایں خاکسار از ارادت مندان ابرار نثار علی بخاری المتخلص بہ نثار

حسب ابتدا آن رموز دان کاشفان اسرار (یعنی شاہ تربت علی شاہ) بہ عبارت سہل و صاف شستہ این مروارید تاباں عمان معرفت را برشتہ سطر کشیدہ ......"۔ (ص ۸)

مفتاح الخزائن کے طبع ہونے سے اس کو زندگی مل گئی لیکن اس کی طباعت لوہے کے ٹائپ پر ہوئی، کتاب کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ تمام کتاب رموز اوقاف سے عاری ہے، بے ضرورت بھی حرف نون کے شکم میں نقطہ ہے، مضاف بدون کسرہ ہے، ہر کو ھر تحریر کیا گیا ہے، متن کا املا پیش نظر نہیں رہا، کتاب میں کسی ورق کا عکس بھی شامل نہیں ہے، پیش گفتار میں متن کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملتی، لہٰذا قرأت دشوار، اس پر مردہ ونیم مردہ الفاظ اور ان کے قدیم معانی کی تلاش مستزاد، شاید ایک ضمیمے کے ذریعہ یہ دشواریاں آئندہ اڈیشن میں دور کردی جائیں۔

یہ امر بھی واضح ہے کہ حضرت شیخ عبدالہادی چشتیؒ کا عہد جو بہ تقویم ہجری ۱۰۶ اسال کو محیط ہے، سلطنت مغلیہ کے زوال کا عہد تھا اور ایک زوال پذیر تہذیب کے اثرات ونقوش واضح ہو چکے تھے، ان میں مجاذیب وسالکین کا کردار بھی تھا، بخاری نے اپنے ممدوح کے کمالات پر نظر رکھی، کہیں کہیں سیاسی واقعات بھی بیان کیے لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب ہم عصر ثقافت کے منظر نامے سے خالی ہے، ہم عصر تاریخ کے لیے یہ ایک کم زور ماخذ ہے۔

کتابیات

الطاف علی بریلی، سید: حیات حافظ رحمت خاں، طبع ثالث، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۸۰ء۔

حمید اللہ بھٹ، ڈاکٹر محمد: ماہ نامہ اردو دنیا، دہلی، جنوری ۲۰۰۵ء۔

ضیاء الدین اصلاحی: ماہ نامہ معارف، اعظم گڑھ، جون ۲۰۰۰ء۔

عبدالعزیز خاں عاصی بریلوی: تاریخ روہیل کھنڈ، رشید آرٹ پریس، میکلوڈ روڈ، کراچی، ۱۹۶۳ء۔

نجم الغنی خاں، حکیم: اخبار الصنادید، جلد-۱، مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۸ء۔

نثار علی بخاری بریلوی، سید: انشائے دلکشا، شعلۂ طور پریس، کان پور، ۱۸۸۷ء۔

نثار علی بخاری بریلوی، سید: مفتاح الخزائن (فارسی)، مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، الیس اے پرنٹرس، جامع مسجد، کیلاش نگر، دہلی، ۱۹۸۹ء۔

☆☆☆☆

عباسی دور میں ترجمے کی سرگرمیاں

از:- جناب اورنگ زیب اعظمی☆

"جناب اورنگ زیب اعظمی اردو اور عربی کے ہونہار اہل قلم ہیں، ان کی عربی تصنیف "حرکة الترجمة في العصر العباسي" بیروت سے شایع ہوئی ہے، جناب نازش احتشام نے اس کا یہ اردو ترجمہ کرکے "معارف" میں اشاعت کے لیے بھیجا ہے"۔ (ض)۔

خلافت عباسیہ کا ابتدائی دور علمی، تعلیمی اور تہذیبی وتمدنی حیثیت سے بہت ممتاز ہے، دوسری حکومتوں اور ملکوں سے اس کے تعلقات بڑھے تو ان کے علوم وفنون کی تحصیل کا داعیہ خود بہ خود پیدا ہوا، اس طرح دوسری زبانوں اور قوموں کی کتابوں کے ترجمے بھی ہوئے جس کو شاہانہ سرپرستی اور فیاضی نے بہت عروج پر پہنچا دیا، اس مضمون میں اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس سے پہلے بہ طور پس منظر جاہلی اور اسلامی دور کی ابتدا میں فن ترجمہ نگاری کی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

جاہلی دور میں ترجمہ جاہلی دور ہی سے عربی زبان میں ترجمہ کا رواج ہو گیا تھا، اس کی چند مثالیں مختلف عناوین کے تحت پیش کی جاتی ہیں:

ذاتی تعلقات دوسرے ملکوں کے اکابر و حکام سے بعض ممتاز عربوں کے تعلقات تھے، مشہور شاعر اعشی کبیر نے حیرہ، سرزمین نبط اور بلاد عجم کا کئی بار سفر کیا تھا، اس کا ذکر اس کے اشعار میں ملتا ہے:

جزی الالہ ایاسا خیر نعمته کما جزی --- نوحاً بعد ما شابا

☆ ۱۰۵/۵۸-اے غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵۔

فی ملکه اذ تبداها لیصنعها   وظل یجمع الواحاً و ابواباً (۱)

(ترجمہ) اللہ نے ایاس پر ویسے ہی اپنی نعمتوں کی بارش کی جس طرح نوحؑ پر بڑھاپے میں کرم فرمایا، جب اسے کشتی بنانے کا خیال آیا اور اس نے الواح و ابواب جمع کیے۔

اسی طرح امرؤ القیس اول (۲) اور امرؤ القیس دوم کی قیصر سے ملاقات ہوئی تھی، آخر الذکر شاعر فخر کے ساتھ کہتا ہے:

نادمت قیصر فی ملکه   فاوجهنی و رکبت البریدا (۳)

(ترجمہ) میں نے قیصر کے ساتھ اس کی حکومت میں شراب نوشی کی، اس نے مجھے عزت دی اور میں نے اس کے ساتھ چند میل کا سفر کیا۔

اسی طرح منذر بن نعمان (۴) سے بھی اکابر عربوں کے تعلقات دور جاہلی میں قایم ہوگئے تھے جس میں ترجمہ و ترجمانی کی ضرورت پڑتی تھی۔ (۵)

تجارتی تعلقات قدیم زمانے سے قریش کے تجارتی تعلقات ہندوستان، چین، ایران، روم، حبشہ، حیرہ اور غسانی (۶) حکمرانوں سے تھے، اس کی وجہ سے مکہ تجارتی قافلوں کا ایک مرکز بن گیا تھا (۷)، عربی بالخصوص قریش کی زبان میں مختلف ملکوں کے الفاظ کا استعمال اس کا ثبوت ہے۔

عالمی تعلقات مختلف عرب مترجمین نے عجمی حکام وملوک کے لیے ترجمانی کے فرایض انجام دیے، جیسے عدی نے ہرمز بن نوشیرواں کی طرف سے قیصر کے پاس بہ حیثیت سفیر کے کام کیا (۸)، اس کے بعد یہ پیشہ اس کے لڑکے زید کو وراثت میں ملا، زید کے دو اور بھائیوں نے یہ خدمت انجام دی (۹)، خود عدی کے والد اور زید کے دادا بہ یک وقت عربی اور فارسی کے ماہر تھے (۱۰)، لقیط بن یعمر ایادی نے کسریٰ کے ہاں تحریر و ترجمہ کا کام کیا (۱۱) مختلف فتوحات میں بھی ترجمے کا عمل دخل رہا، سکندر مقدونی کے بارے میں ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں:

"سکندر کی فتوحات نے یونانیوں اور رومیوں کو ایشیا کے دور دراز علاقوں میں دھکیل دیا تھا، جن سے مشرقی و مغربی تہذیبوں کے اتصال اور ایک پر دوسرے کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے، اسکندریہ کے بعض شہر خاص طور سے مشرقی و

مغربی تہذیبوں اور مشرق و مغرب کے درمیان عقلی اتصال کا سنگم تھے، اسکندریہ کی یہ حیثیت اسلام کی آمد تک باقی رہی"۔ (۱۲)

اس کتاب میں ان فتوحات کی اور تفصیلات بھی ملتی ہیں۔

دین و مذہب ترجمہ نگاری کے احیا میں دین و مذہب کا بھی حصہ رہا ہے، ہم نے ابھی بیان کیا کہ مکہ مختلف کاروانوں کا ایک پلیٹ فارم تھا (۱۳)، ہر کارواں یہیں سے ہوکر گزرتا، اس اہمیت کے پیش نظر اسے مختلف مذاہب کے دعات و مبلغین نے اسے دین و مذہب کی اشاعت کا بھی مرکز قرار دیا (۱۴)، بیزنطینیوں نے کنائس بنائے، جنھوں نے تہذیب و ثقافت کے ارتباط کا کام کیا (۱۵)، ڈاکٹر جواد علی تحریر فرماتے ہیں:

"جاہلی دور میں مبشرین نے یونانی اور آرامی میراث و ثقافت کو جزیرۃ العرب تک منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کیا"۔ (۱۶)

یہ بات بھی اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ توراۃ کا عربی ترجمہ خود جاہلی دور میں ہو چکا تھا (۱۷)، شعرائے عرب کے کلام میں ان کے اپنے آبائی و مذہبی کلمات و اسالیب سے مختلف کلمات و اسالیب بھی موجود ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی تہذیبی اور دینی لین دین کا وجود تھا، بہ طور مثال ہم عدی بن زید کا تذکرہ کریں گے جو بہ یک وقت عربی، فارسی، رومی اور عبرانی زبانوں کا ماہر تھا، اس نے عربی زبان میں توراۃ کے قصوں کو منظوم شکل میں پیش کیا (۱۸)، اس کا شعر ہے:

اعاذل، ما یدریک ان منیتی   الی ساعة فی الیوم، اوفی ضحی الغد

ذرینی، فانی انما لی ما مضی   امامی من مالی، اذا خف عودی

کفی زاجراً للمرء ایام دهره   تروح له بالواعظات و تغتدی (۱۹)

(ترجمہ) اے لعنت وملامت کرنے والی! تجھے میری موت کا کوئی علم نہیں، آیا وہ آج کسی وقت آئے گی یا کل دن چڑھے تک۔

مجھے میرے حال پر چھوڑ، کیوں کہ میرا وہی مال مفید ہے جو میری موت سے پہلے خرچ ہوگیا۔

آدمی کی نصیحت کے لیے اس کے زمانے کے ایام ولیالی ہی کافی ہیں جو اس کے پاس صبح و شام

مختلف مواعظ ونصائح لے کر آتے ہیں۔

امیۃ بن ابی الصلت کا شعر ہے:

کذی الافعی یربیھا لدیه   وذی الجنی ارسله یساب

فلا رب البریة یا منہا   ولا الجنی اصبح یستتاب (۲۰)

(ترجمہ) سانپ والے کی طرح جو سانپ کو پالتا یا جنات والے کی طرح جسے یساب نے بھیجا ہے۔

نہ ہی پروردگار عالم نے اسے بچایا اور نہ ہی جنات کی بات مانی گئی۔

سانپ کا یہ واقعہ توراۃ کے پہلے سفر میں مذکور ہے۔

اعشی کے اشعار میں بھی نصرانیت کی جھلک موجود ہے، سموأل بن عادیا کا قول ہے:

(۲۱)
اذا المرء لم یدنس من اللوم عرضه   فکل رداء یرتدیه جمیل

(ترجمہ) جب آدمی کی عزت لعنت وملامت کی ناپاکی سے میلی نہ ہو تو ہر وہ چادر جسے وہ اوڑھتا ہے، اس پر اچھی لگتی ہے۔

اس طرح کے متعدد اشعار سے جزیرۃ العرب میں مختلف مذاہب کے افکار وخیالات کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔

طلبہ علوم کے اسفار جاہلی دور میں طلبہ طب وفلسفہ وغیرہ علوم کے حصول کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کرتے تھے، وہاں سے وہ علوم وفنون کی طرح ہی مختلف تہذیبوں وثقافتوں کے اثرات بھی اپنے ساتھ لاتے تھے، حارث بن کلدہ اور اس کے لڑکے نضر بن حارث نے جندیسابور کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی (۲۲)، یہ مدرسہ ایران میں واقع تھا، زید نے اپنے صاحب زادے عدی کو فارسی زبان کے حصول کے لیے دوسرے مدرسہ میں روانہ کیا، یہی بعد کو چل کر اس زبان کا ترجمان بنا (۲۳)، ظاہر ہے ان مدارس میں ذریعہ تعلیم عربی زبان نہیں تھی بلکہ فارسی یا سریانی یا یونانی تھی، اس لیے ترجمہ ونقل کے ذریعہ مختلف تہذیبوں کا لین دین لابد تھا (۲۴)، ڈاکٹر جواد علی رقم طراز ہیں:

"ان میں سے بعض نے ایران، عراق اور شام کے مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کی، ان ملکوں میں تعلیم کی زبان سریانی، یونانی اور فارسی تھی، اس

لیے ایسے لوگوں کا وجود ممکن ہے، جنہوں نے حجاز یا یمن میں رہ کر ان زبانوں میں سے کسی ایک زبان کو سیکھا ہو"۔ (۲۵)

الفاظ وکلمات جاہلی شعرا نے جو الفاظ وکلمات مختلف مناسبتوں سے استعمال کیے ہیں وہ بھی ہمارے دعوے کا ثبوت ہیں، امرؤ القیس کا شعر ہے:

أتت حجج بعدی علیھا فاصبحت   کخط "زبور" فی مصاحف رھبان (۲۶)

(ترجمہ) اس پر میرے بعد چند سال گزرے چنانچہ وہ ایسے ہو گئے جیسے راہبوں کی مذہبی کتابوں میں زبور کی تحریر۔

"زبور" عبرانی زبان کا لفظ ہے اور آسمانی کتاب کے لیے خاص ہے، اسی کا شعر ہے:

(۲۷)
مھفھفة بیضاء غیر مفاضة   ترائبھا مصقولة کالسجنجل

(ترجمہ) وہ چھریرے بدن کی، گوری چٹی، نہ موٹی نہ دبلی اور اس کا سینہ آئینے کے مانند چکنا اور صاف ہے۔

"سجنجل" رومی لفظ ہے جس کے معنی آئینہ کے ہوتے ہیں۔

نابغہ کا قول ہے:

(۲۸)
مجلتھم ذات الاله ودینھم   قدیم فما یرجون غیر العواقب

(ترجمہ) ان کی کتاب آسمانی ہے اور ان کا دین قدیم ہے وہ نتائج کے امیدوار ہیں۔

"مجلة" عبرانی زبان کا لفظ ہے، اسی طرح "اس"، "صندوق"، "ریحان"، "شالم"، "یتوع"، "خربز"، "اسفنط"، "نرجس"، "تابوت"، "جر"، "بطیش"، "طباہج"، "جلاب"، "برکان"، "طیلسان"، "موبذ"، "درہم"، "فلوس" اور "قنطار" وغیرہ اجنبی کلمات والفاظ ہیں جنہیں عربی زبان کا جامہ پہنا دیا گیا ہے، مزید تفصیلات کے لیے ڈاکٹر جواد علی کی کتاب "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" جلد-۱، صفحات ۶۹۴ تا ۷۳۲ کا مطالعہ کریں۔

اسلام کا ابتدائی دور اور ترجمہ نگاری اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ترجمے کا کام ہوتا رہا ہے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱- نجاشی بادشاہ کے پاس جو مسلم مہاجرین گئے تھے ان کی واپسی کا مطالبہ لے کر

قریشی وفد بھی وہاں پہنچا، ان لوگوں کی جو گفتگو نجاشی سے ہوئی اس کی ترجمانی بادشاہ کے دربار کے ایک ترجمان نے کی تھی (۲۹)۔

۲- مسلمان اہل کتاب سے استفادہ کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

"کان اهل الكتاب يقرؤن التوراة بالعبرانية و يفسرونها بالعربية لاهل الاسلام" (۳۰)۔

اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات کی تلاوت کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تشریح پیش کرتے۔

۳- مکہ اور بالخصوص مدینہ میں یہودی، حبشی، ایرانی اور بیزنطینی آباد تھے، وہ اپنی زبان ہی میں گفتگو کرتے، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ان سے ان کی زبان کا علم حاصل کیا، زید بن ثابت فارسی، رومی، قبطی اور عبرانی زبانیں جانتے تھے اور ان زبانوں کے بولنے والوں کی باتوں کو وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ترجمے کے ذریعہ بیان کرتے تھے، حضرت زید نے یہ تمام زبانیں خود اہلِ زبان سے سیکھی تھیں (۳۱)۔

۴- عبداللہ بن عمرو بن العاص سریانی زبان سے واقف تھے، وہ تورات کے سریانی ترجمہ سے استفادہ کرتے، ان کا معمول تھا کہ ایک دن قرآن کی تلاوت اور ایک دن تورات کا مطالعہ کرتے (۳۲)۔

۵- خود نبی اکرم ﷺ نے زید کو یہودیوں کی زبان (۳۳) اور عبرانی (۳۴) سیکھنے کا حکم دیا، روایت ہے:

"قال النبی ﷺ انی اکتب الی قوم فاخاف ان یزید واعلی او ینقصوا فتعلم السریانیة فتعلمتها فی سبعة عشر یوماً" (۳۵)۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ معاہدے وغیرہ لکھتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ وہ میری تحریر میں اضافہ کردیں یا کچھ گھٹادیں سو تم سریانی زبان سیکھ لو، چنانچہ میں نے اسے سترہ دن میں سیکھ لیا۔

۶- وہ مسلمانوں کو دیگر زبانوں کی تعلیم دیا کرتے تھے (۳۶)۔

۷- جب ہرمزان رئیس عجم، خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب سے ملنے آیا تو حضرت مغیرہ نے

اس کے اور حضرت عمر کے درمیان ترجمان ہوکر ہر سوال کا جواب فارسی زبان میں دیا (۳۷)۔

۸- خود حضرت عمر کے بارے میں مروی ہے:

"کان عمر یکثر الخلوة لقوم من الفرس یقرؤن علیه سیاسات الملوك ولا سیما ملوك العجم الفضلاء، وسیما نوشیروان فانه کان معجباً بها کثیراً لا قتداء بها" (۳۸)۔

حضرت عمر ایران کے چند لوگوں کے پاس اکثر تنہائی میں بیٹھتے جو ان کو بادشاہوں کے طریقہ ہائے سیاست پڑھ کر سناتے، خاص طور سے عجم کے لائق بادشاہوں اور نوشیرواں کے (واقعات) سننے کے بہت شائق تھے تاکہ اپنے طرز حکومت میں ان کی اقتدا کریں۔

۹- جب عمرو بن عاصؓ نے مصر فتح کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں کوئی یونانی فلسفی ہے، انہوں نے اس کی زیارت کی اور اس سے فلسفہ کی باتیں حاصل کیں، ابن القفطی کا بیان ہے:

"جب فلسفی عمرو کے پاس پہنچا تو چوں کہ انہیں اس کی عظمت و برتری کا علم تھا، اس لیے انہوں نے اس کی عزت کی اور جب تثلیث کے رد میں اس کی گفتگو سنی تو خوش ہوئے اور فنائے دہر پر اس کی تقریر سن کر مبہوت ہوگئے، اس کے ان منطقیانہ دلایل سے عرب بالکل بے بہرہ تھے، عمرو خود عقیل وفہیم تھے، ان کا ذہن اخاذ اور تیز تھا، وہ اسے اپنے پاس رکھتے اور کبھی بھی اسے اپنے سے جدا نہیں کرتے"۔ (۳۹)

۱۰- فتوح البلدان کے مصنف کا کہنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک اچھی خاصی تعداد فارسی زبان سے واقف تھی، اس طرح کے اور بھی دلایل ہیں جن کی تفصیل کا موقع نہیں (۴۰)۔

اموی دور اور ترجمہ

اموی دور کو بھی اس میدان میں سبقت رہی، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ایک کلکٹر (Collector) ابن اثال ایک مشہور طبیب تھے، انہوں نے حضرت معاویہؓ کے لیے یونانی سے عربی زبان میں متعدد طبی کتابوں کے ترجمے کیے (۴۱)، خود حضرت معاویہؓ دنیا کے بادشاہوں کے حالات سے واقفیت کے دلدادہ تھے، انہوں نے بہت سے مترجموں کا تقرر اسی غرض سے کیا تھا کہ وہ بادشاہوں کے حالات ترجمہ کرکے ان کے سامنے پیش کریں (۴۲)۔

مروان بن حکم کے یہاں ایک یہودی طبیب تھا، جس کا نام ماسر جویہ بصری تھا، اس نے اہرن کی کتاب ''کناش'' کا سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا (۴۳)، اس کتاب کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شاہی کتب خانے سے نکال کر وقف عام کردیا تھا (۴۴)۔

خالد بن یزید بن معاویہ کے لیے صنعت، طب اور نجوم وغیرہ کی مختلف کتابیں ترجمہ ہوئیں (۴۵)، انہیں کے لیے مریانوس راہب نے منطق اور صنعت کی بعض کتابوں کا ترجمہ کیا (۴۶)، انہیں کے زمانہ میں ''اورغاثون'' کا ترجمہ مکمل ہوا (۴۷)، عمر بن عبدالعزیز نے اہرن بن اعین کے ایک کتابچہ کے ترجمہ کا حکم دیا، اموی دور کے مشہور تراجم میں سے دواوین (دفاتر) کا ترجمہ ہے، جو حجاج کے زمانہ میں فارسی سے عربی زبان میں ہوا (۴۸)۔

ہشام بن عبدالملک کے لیے ساسانیوں کی تاریخ وسیاست کی ایک کتاب عربی زبان میں منتقل ہوئی (۴۹)، ان کے ایک غلام سالم نے سکندر کے نام کے ارسطو کے خطوط کا عربی میں ترجمہ کیا (۵۰)، خود اس کا لڑکا فارسی کا ماہر تھا، اس نے بہت سی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا (۵۱)، اسی طرح ہشام نے عجمی بادشاہوں کی سیرت پر ایک ضخیم کتاب کے ترجمہ کا حکم دیا، یہ ترجمہ ۱۱۳ھ میں پایہ تمام کو پہنچا (۵۲)۔

عباسی دور میں ترجمے

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور عباسی دور میں ترجمے کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہیں، اوپر گزر چکا ہے کہ جاہلی دور ہی میں ترجمے کے کام کا آغاز ہوچکا تھا لیکن اس میں اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اس میں مذہبی اور دینی عنصر کی کارفرمائی رہی لیکن خلفائے اربعہ اور اموی خلفا کے دور میں اس میں مزید ترقی ہوئی، حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے یونانی فلاسفہ سے معلومات حاصل کیے، اموی دور میں خلفا کے ذوق اور ذاتی ضروریات کے لحاظ سے مختلف قیمتی کتابوں کے ترجمے ہوئے، معاویہ، خالد اور ہشام وغیرہ کے دور کے ترجموں کی یہی نوعیت تھی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباسی دور سے پہلے تک ترجمے کے دو دور تھے: ۱- جاہلی اور ابتدائی اسلامی دور، اس میں دینی امور ومعلومات کے ترجمے ہوئے (۵۳) ۲- خلفائے راشدین اور اموی خلفا کا دور، اس دور میں ذاتی کوششوں کا زیادہ دخل رہا (۵۴)، حکومت نے اس میدان

میں کوئی خاص مدد نہیں کی ہاں دفاتر کا ترجمہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

فی الواقع عباسی دور ہی میں ترجمہ وتعریب کا کام بڑے اور وسیع پیمانے پر شروع ہوا اور اس میں عوام کے ساتھ ساتھ خود حکومت نے بھی پوری دل چسپی لی، اس دور کو اجتماعی کوشش کے دور سے تعبیر کرسکتے ہیں، اس کے امتیاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اموی دور میں ترجمہ کا کام صنعت وحرفت، طب اور نجوم وغیرہ تک محدود تھا (۵۵) مگر اس دور میں عقلی علوم سے بھی دل چسپی بڑھی، منطق، فلسفہ اور ہندسہ کے علاوہ بعض غیر ضروری چیزوں میں بھی لوگوں نے دل چسپی دکھائی (۵۶)، اس دور کو اس کے خصایص وامتیازات کی بنا پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۵۷)۔

۱- پہلا دور: سفاح سے لے کر امین تک (۷۵۴-۸۱۳ء)

۲- دوسرا دور: مامون سے لے کر مقتدر تک (۸۱۳-۹۰۸ء)

۳- تیسرا دور: قاہر سے لے کر خلافت عباسیہ کے خاتمہ تک (۹۰۸-۱۲۵۸ء)

پہلا دور

یہ دور عملی کتابوں کے تراجم مثلاً طب، فلکیات، اور ریاضیات کے لیے خاص ہے (۵۸)، اس دور میں طبی کتابوں کے ترجمے کا سبب خود خلیفہ منصور تھا، اسے معدے کی تکلیف تھی، اس لیے اس کو اس فن اور اطبا سے کافی دل چسپی تھی (۵۹)، اس نے جورجیس بن بختیشوع کو اپنے علاج کے لیے بغداد بلایا (۶۰)، وہ ایک زمانے تک بغداد میں مقیم رہا، پھر وہ اپنے وطن واپس گیا اور وہیں وفات پائی مگر اس کی موت سے یہ سلسلہ منقطع نہ ہوا بلکہ خاندان بختیشوع کا تعلق عباسی خلفا سے برابر قایم رہا، جورجیس کے بعد بختیشوع دوم بن جبرئیل نے مہدی کا علاج کیا، اس خاندان کے میر کارواں جبرئیل یونانی طب سے مرعوب تھے، انہوں نے جالینوس اور بقراط کی بہت سی طبی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا (۶۱)۔

منصور کے دور میں حکومت نے فلکیات اور نجوم کی کتابوں کے تراجم میں بھی دل چسپی دکھائی، خلیفۂ وقت نے بیزنطہ کے بادشاہ سے اس کے ملک میں موجود یونانی کتابوں کے مخطوطے طلب فرمائے (۶۲)، کہا جاتا ہے کہ ۷۷۱ء میں ہندوستان کے مغربی علاقہ سندھ سے ایک وفد بغداد آیا (۶۳) جس میں ایک آدمی کنکہ نام کا بھی تھا، وہ ریاضیات اور فلکیات کا ماہر تھا اور اپنے ساتھ ''سوریا سدھانتا'' نامی کتاب بھی لے گیا تھا، پہلے منصور نے اس کی تلخیص کا حکم دیا پھر پوری

کتاب کا عربی میں ترجمہ کرایا (۶۴)، اس اہم کام کے لیے ماہر نجوم ابراہیم بن حبیب فزاری کو مقرر کیا گیا تھا، وہ ہندی زبان کا بھی ماہر تھا، عربی میں اس کتاب کا نام ''سندھند'' رکھا گیا، ''ارکند'' اور ''ارجبھر'' کے ترجمے بھی ہوئے، ابراہیم پہلا عربی منجم ہے جس نے اصطرلاب بنائی، اس دور میں عبداللہ بن المقفع نے کلیلہ ودمنہ کا پہلوی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا، یہ بھی ہندی الاصل کتاب ہے، منصور کے درباری ترجمہ نگاروں میں ابن البطریق کا بھی نام آتا ہے جس نے خلیفہ کے لیے جالینوس اور بقراط کی کتابوں کے ترجمے کیے، اسی طرح فرقہ، مانویہ (۶۵) اور مجوسیت (۶۶) کے خیالات پر مبنی کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں جن سے الحاد وزندقہ نے عرب کی پاک زمین میں راہ پائی۔

منصور کے بعد اس کے صاحب زادے مہدی نے پہلے علما کے ذریعہ الحاد کی بیخ کنی کی جو مانوی اور مجوسی مذاہب کی کتابوں کے ترجمے سے در آیا تھا، اس طرح علم کلام کا وجود ہوا (۶۷) مہدی نے اپنے والد کی اقتدا میں جندیساپور کے اطبا سے تعلق قایم کیا جنھوں نے اس کے لیے طب اور ریاضیات کی کتابوں کے ترجمے کیے (۶۸)۔

پھر ہارون رشید مسند آرائے حکومت ہوا، جو یونانی علوم کا دلدادہ تھا، اس نے رومی مملکت کے تمام علاقوں میں اپنے فرستادے روانہ کیے تاکہ وہ یونانی مخطوطے اور بالخصوص طبی کتب خرید کر لائیں، اس کے لیے خطیر رقم صرف کی، اس کے دور میں حاذق طبیب یوحنا بن ماسویہ نے طب قدیم کتابوں کے ترجمے کیے (۶۹)، ارسطو کی منطق پر کتاب کا ترجمہ بھی اسی دور کی یادگار ہے، اس دور میں حجاج بن یوسف بن مطر کے ہاتھوں اقلیدس کا عربی ترجمہ ہوا، مامون کے دور کے ترجمے سے امتیاز کے لیے اس کا نام ''ہارونی'' ترجمہ رکھا گیا، یحییٰ بن خالد برمکی کی نگرانی میں بطلیموس کی کتاب ''المجسطی'' کا عربی ترجمہ ہوا (۷۰)، کہا جاتا ہے کہ جب اس نے عموریہ اور انقرہ کو زیر کیا تو وہاں کے علما ومترجمین کی ایک منتخب جماعت کو اپنے حاشیہ نشینوں میں شامل کیا اور ان کے ذمہ طب، فلسفہ اور فلکیات کی چیدہ امہات کتب کو عربی میں ترجمہ کے لیے منگایا (۷۱)، وہ جب بھی روم کے کسی علاقہ کو فتح کرتا تو وہاں کی لائبریریوں میں موجود یونانی علوم وفلسفہ کی منتخب کتابوں کو منگایا (۷۲)، اس نے اپنے درباری طبیب منکہ کو جو ہندی نژاد تھا، ہندی سے عربی میں کتابوں کے ترجمے کی نگرانی سپرد کی، اس طرح ہندی طریقہ علاج سے متعلق بہت سی ہندی

کتابوں کے عربی ترجمے ہوئے، اس کام میں اس کی مدد ابن دہن نے بھی کی جو بیمارستان برامکہ کا انچارج تھا (۷۳)، اس طرح محمد بن ابراہیم فزاری نے ''سیدھانتا'' کا عربی میں ترجمہ کیا، بطریق نے عمر بن الفرخان کی شرح ''الاربعہ'' کا عربی ترجمہ کیا (۷۴)، اس دور کی ترجمہ نگاری کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱- اس دور میں بالخصوص فلکیات سے متعلق کتابوں کے ترجمے ہوئے، کیوں کہ ان کے خیال میں انسانی انجام اور حکومتوں کی قیام وبقا کے اسرار علم نجوم سے معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ متعدد اصطرلاب وجود میں آئے (۷۵)۔

۲- اس وقت بغداد کے دار الحکومت میں جس قدر علما، ادبا اور حکما کا مجمع تھا، وہ دنیا کے کسی بادشاہ کے یہاں نہیں تھا (۷۶)۔

۳- علما اور سائنس دانوں نے ہارون کے دور سے قبل جو کام شروع کیے تھے وہ اس دور میں پایہ تکمیل کو پہنچے، گویا جو بیج پہلے خلفا نے زمین علم وادب میں ڈالے تھے وہ اس دور میں ثمر دار ہوئے (۷۷)۔

۴- متعدد اسلامی علوم جیسے قرأۃ، نحو اور علم لسانیات اسی دور میں مدون ہوئے (۷۸)۔

۵- ہارون سے زیادہ کسی خلیفہ کے دور میں وزرا علوم وفنون کی تحصیل وترویج میں مشغول نہیں رہے (۷۹)، اس دور کے پہلے ترجمہ نگاروں میں یوحنا بن ماسویہ ہے جو حنین کا استاذ تھا، اس نے رشید کے لیے طبی مخطوطات کے ترجمے کیے، اس کے بعد بھی بہت سے خلفا کے دور میں وہ اس خدمت پر مامور رہا (۸۰)۔

دوسرا دور یہ دور تصنیف، تعلیق اور تلخیص کے ساتھ ساتھ ریاضیات، فلسفہ اور منطق کی کتابوں کے ترجمے کے لیے بھی اہم تھا، اس دور کا سب سے مشہور اور قابل ذکر خلیفہ مامون ہے، جو طبعاً حکمت وفلسفہ اور منطق کی کتابوں کا دل دادہ تھا، وہ عقلیت پسند اور اہل عقل ورائے کا موید تھا (۸۱)، اس نے منصور کے شروع کیے ہوئے ہوئے کاموں کی تکمیل کی اور ارسطو وغیرہ کی فلسفہ سے متعلق تمام کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا اور اصحاب اعتزال کو ان کتابوں کے پڑھنے پر ابھارا، چنانچہ فلسفہ سے نصاریٰ کی دل چسپی کے سبب ایک نیا مکتب فکر وجود میں آیا جس کا نام ''افلاطونی فلسفہ''

پڑا(۸۲)، کہا جاتا ہے کہ جب مامون نے ۸۳۰ء میں روم کو فتح کیا تو اس نے روم کے بادشاہ توفیل سے درخواست کی کہ وہ اپنے پاس موجود افلاطون، ارسطاطالیس، بقراط، جالینوس، اقلیدس، بطلیموس وغیرہ کی فلسفیانہ کتابوں کو اس تاوان کے بدلے روانہ فرمائے جسے اس نے اس کے اوپر لگا رکھا ہے، چنانچہ روم کے بادشاہ نے اس کی بات مان لی اور اسے اپنی بڑی کامیابی خیال کیا(۸۳)، مامون نے حجاج بن یوسف بن مطر کی نگرانی میں ایک وفد رومیوں کی کتابوں کے انتخاب کے لیے روانہ کیا، یہ کتابیں نصرانیوں نے اپنے مذہبی حکم کے مطابق صندوقوں میں بند کر رکھی تھیں، جب یہ مامون کے ہاتھ لگیں تو اس نے فوراً ان کے ترجمے کا حکم دیا(۸۴)، اسی طرح اس نے آرمینیا، مصر، شام، قبرص، ہندوستان اور ایران بھی وفود بھیج کر کتابیں منگائیں، دوسرے بادشاہ بھی اس کے پاس کتابیں بہ طور ہدیہ روانہ فرماتے تھے(۸۵) حتی کہ ہندوستان کے ایک بادشاہ نے اس کے پاس "دوہان" نامی ایک مترجم روانہ کیا اور کہا کہ میں تمہارے پاس ایک نہایت قیمتی تحفہ روانہ کر رہا ہوں(۸۶)۔

اس دور کی مخصوص علمی وفنی سرگرمیوں کی بنا پر ہم ہارون کے دور سے الگ اس کے خصائص وممیزات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱- اگرچہ ہارون نے یونانی کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا تھا اور اس کے لیے اس نے "بیت الحکمۃ" بھی قایم کیا تھا مگر اس کے ترجمے ان کتابوں پر منحصر تھے جو انقرہ اور عموریہ میں پائی جاتی تھیں مگر مامون نے اس کی باقاعدہ کوشش کی اور روم کے بادشاہ کو لکھ کر کتابیں منگائیں اور ترجمہ نگاروں کو اس خاص کام کے لیے مقرر کیا(۸۷)۔

۲- وہ ترجمے جو ہارون رشید کے دور میں مکمل ہوئے بعض بہتر نہیں تھے، چنانچہ مامون نے حنین بن اسحاق کو ان تراجم کی اصلاح کے لیے مامور کیا اور اسے ترجمہ نگاروں کا ہیڈ بھی بنایا(۸۸)۔

۳- اگرچہ عباسی دور میں بہت سے ترجمہ نگاروں کا نام ابھر کر سامنے آیا مگر اکثر ماہر مترجمین کا تعلق عصر مامونی سے ہے، "طبقات الحکما" کے مصنف لکھتے ہیں:

"حذاق الترجمة فی الاسلام اربعة: حنین بن اسحق ویعقوب بن اسحق الکندی وثابت بن قرة الحرانی وعمربن الفرحان الطبری "(۸۹)۔

اسلام میں ماہر ترجمہ نگار چار ہیں: حنین بن اسحاق، یعقوب بن اسحاق کندی، ثابت بن قرہ حرانی اور عمر بن فرخان طبری۔

ان میں سے تین حنین، یعقوب اور عمر کا تعلق مامون کے دور سے ہے۔

۴- ترجمہ کی تحریک میں تیزی اسی دور کی دین ہے، مامون ترجمہ کی ہوئی کتابوں کو سونے سے وزن کراتا تھا، اسی لیے حنین وزن دار ورق پر جلی حروف میں ترجمہ کرتا تا کہ زیادہ سونا ہاتھ آئے(۹۰)۔

۵- اس دور سے پہلے کی ترجمہ کی ہوئی اکثر کتابیں طب، ہیئت، منطق اور اخلاق وغیرہ سے متعلق تھیں، فلسفہ سے متعلق کتابیں بہت کم تھیں، مامون نے اپنے دور میں اس طرف توجہ کی، چنانچہ اسحاق اور یوحنا صرف ارسطو کی ہی کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے(۹۱)، طبقات الامم کے مصنف(۹۲) نے لکھا ہے، اس کے دور میں فلسفہ کی تعلیم عام ہوئی۔

۶- اس نے ہیئت کی کتابوں میں بھی دل چسپی دکھائی، سائنس دانوں نے اس میدان میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں(۹۳)۔

۷- اس دور میں علم کلام مدون ہوا، شہرستانی کا قول ہے:

"ثم طالع بعد ذلک شیوخ المعتزلة کتب الفلاسفة حین فوت ایام المامون فخلطت مناهجها بمناهج الکلام فافردتها فنا من فنون العلم باسم الکلام"(۹۴)۔

اس کے بعد معتزلہ کے اماموں نے مامون کے دور کے بعد فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، چنانچہ اس کے انداز گفتگو کلام کے انداز گفتگو سے جا ملے، اس طور انہوں نے ایک الگ فن "علم الکلام" کے نام سے ایجاد کیا۔

۸- ریاضیات کی باقاعدہ تعلیم کا نظم اسی دور میں ہوا(۹۵)۔

واثق باللہ کے دور میں فلسفہ کے مترجمین کی بڑی تعداد تھی(۹۶)، اس کا سبب اس کی ایجاد واختراع سے دل چسپی اور تقلید وجمود سے بغض تھا، مورخ مسعودی تحریر فرماتے ہیں:

"کان الواثق محبا للنظر مبغضا

واثق غور وفکر کا رسیا، تقلید وجمود کا دشمن اور

للتقلید محباً للاشراف علی علوم الناس وآرائهم ممن تقدم و تاخر من الفلاسفة والمتطببین فجری بحضرته انواع من علومهم فی الطبیعیات وما بعد ذلک من الالهیات"(۹۷)۔

متقدمین و متاخرین فلاسفہ کے علوم و آرا کا شایق تھا، چنانچہ اس کی موجودگی میں بہت سے طبیعیات والٰہیات کے علوم رواج پذیر ہوئے۔

متوکل کے دور میں اس کے لیے بھی بہت سی کتابیں حنین کی نگرانی میں ترجمہ ہوئیں (۹۸)، مستعین باللہ کے دور میں خلیفہ کے حکم سے قسطا بن لوقا بعلبکی کو یونانی کتابوں کے ترجمے کا کام سپرد ہوا (۹۹)، رہا مقتدر باللہ کا زمانہ تو اس میں اطبا کا ایک وفد ہندوستان روانہ کیا گیا کہ وہاں سے مختلف امراض و علل میں کام آنے والی مفید جڑی بوٹیاں لائے (۱۰۰)، اس نے قسطا بن لوقا پر بڑا کرم فرمایا، جو یونانی، سریانی اور عربی زبانوں کا ماہر تھا، اس نے بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے اور مختلف تراجم کی اصلاح کی (۱۰۱)۔

تیسرا دور یہ دور فلسفہ کی بجائے ادب بالخصوص فارسی ادب کی کتابوں سے دل چسپی کے لیے مشہور ہے، اس کا سبب وہ امرائے حکومت تھے جن کی دل چسپیاں شعوبیت و زندقہ سے تھیں اور جو اپنے بزرگوں کی عظمت رفتہ کے احیا کے لیے فکر مند تھے، انہوں نے مختلف کتابوں کے ترجمے کیے جیسے تاریخ شاہان ایران، آئین نامہ اور کتاب مزدک وغیرہ (۱۰۲)، اس دور کے مشہور مترجمین میں متیٰن بن یونس، سنان بن ثابت بن قرۃ، یحییٰ بن عدی اور ابن زرع ہیں، اسی دور میں ارسطو کی منطق اور طبیعیات کی کتابوں کے ترجمے اور تشریح ہوئی (۱۰۳)، ترجمہ کے اس دور کے اختتام تک فلسفہ، طب، فلکیات، ریاضیات اور ادب وغیرہ کی اکثر اہم کتابیں ترجمہ ہو چکی تھیں اور اب عرب ترجمے سے بے نیاز ہو کر خود تالیف و اختراع میں منہمک ہو چکے تھے، اہل عرب ان علوم میں اس وقت کمال کو پہنچ گئے تھے جب یورپ کو فلسفہ اور یونانی علوم کی ابجد سے بھی واقفیت نہ تھی (۱۰۴)، ۱۲۵۸ء میں ہلاکو کے ہاتھوں بغداد کے سقوط کے بعد الٹی دھارا بہی اور علوم و فنون عربی سے لاطینی وغیرہ میں منتقل ہونے لگے آج ہم اس دھارا کو "استشراق" کے نام سے یاد کرتے ہیں (۱۰۵)۔

ترجمہ کے اسباب و محرکات ترجمہ کے فن سے اس قدر شغف و اہتمام کے اسباب و محرکات

گوناگوں ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱- قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ: ترجمے کی تحریک کا ایک بڑا محرک قرآن مجید اور حدیث نبوی تھے، جن میں بار بار علم حاصل کرنے، تدبر کرنے اور نظام کائنات میں غور و خوض کرنے اور ان سے نتائج اخذ و استنباط کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۲- جب عربوں کی دوسری متمدن اور تہذیب یافتہ قوموں کے حالات کا علم ہوا اور ان سے ان کا سابقہ پڑا تو ان کے اثر سے ان کے خیالات میں وسعت آئی اور وہ نئے علوم سے آشنا ہوئے، اس کی وجہ سے بھی ترجمے کا کام آگے بڑھا۔

۳- علمی ترقی، زمانے کے نئے تقاضوں اور دوسری متمدن قوموں کے اختلاط کی وجہ سے بھی ترجمے کی احتیاج ناگزیر ہوگئی اور عرب مجبور ہوئے کہ وہ دوسری قوموں کے علوم سے واقف ہوں۔

۴- فن ترجمہ سے خلفائے اسلام کی دل چسپی اور حوصلہ افزائی اور مترجمین کی سرپرستی اور خلفا کی فیاضی اور زر پاشی نے بھی ترجمے کے کام کو بڑا فروغ بخشا۔

۵- اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور عقاید باطلہ کی تردید وغیرہ کے لیے بھی فن ترجمہ کی احتیاج ہوئی، یہ اور اس طرح کے دوسرے کئی عوامل کی بنا پر فن ترجمہ کو اس عہد میں بہت فروغ ہوا۔

حوالہ جات

(۱) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۶، ص ۲۶۹ (۲) ایضاً ج ۲، ص ۶۵۳ تا ۶۵۶ (۳) ایضاً، ص ۳۷۰-۳۷۱ (۴) تاریخ الجاہلیہ، ص ۶۹ (۵) تاریخ العلوم عند العرب، ص ۱۱۱ (۶) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۴، ص ۱۹ (۷) تاریخ الجاہلیہ، ص ۱۱۳ (۸) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۶، ص ۳۶۳ (۹) تاریخ الیعقوبی، ص ۲۱۲ (۱۰) تیارات ثقافیۃ بین العرب والفرس، ص ۳۳ (۱۱) ایضاً (۱۲) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۲، ص ۱۱-۱۲ (۱۳) دیکھیں اس کتاب کا صفحہ ۲ (۱۴) یہاں تک کہ ایرانیوں نے جاہلی دور میں بیت اللہ کی زیارت کی اور رقم بہ طور ہدیہ پیش کی، دیکھیں مروج الذہب و معادن الجوہر، ج ۱، ص ۲۶۵ (۱۵) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۳، ص ۶۲۸ (۱۶) ایضاً، ج ۸، ص ۲۰۲-۲۰۷ (۱۷) ایضاً ج ۱، ص ۳۱۴ (۱۸) ایضاً ج ۱، ص ۳۱۳ (۱۹) جمہرۃ اشعار العرب، ص ۱۷۹ (۲۰) امیہ بن ابی الصلت حیاتہ وشعرہ، ص ۱۶۰ (۲۱) حماسۃ ابی تمام، ج ۱، ص ۲۸ (۲۲) تاریخ العلوم عند العرب، ص ۱۱۱ (۲۳) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۶، ص ۲۶۳ (۲۴) تاریخ العلوم عند العرب، ص ۱۱۱ (۲۵) المفصل فی تاریخ العرب امر قبل الاسلام، ج ۸، ص ۳۳۶ (۲۶) شرح دیوان امرؤ القیس، ص ۱۶۵

(۲۷) ایضاً، ص ۳۰ (۲۸) النابغة الذبیانی، ص ۱۸۴ (۲۹) الدوائر المتداخلة، ص ۳۵ (۳۰) الفاروق، ص ۴۹۸ (۳۱) دورِ نبوی کا منہاجِ تعلیم، ص ۳۲ (۳۲) خطب بہاول پور، ص ۳۰۹ (۳۳) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۳۶ (۳۴) الاسلام والمستشرقون، ص ۵ (۳۵) المسلمون والعلم الحدیث، ص ۳۱ (۳۶) ایضاً، ص ۳۶ (۳۷) الاسلام والمستشرقون، ص ۶ (۳۸) الفاروق، ص ۴۱۵ (۳۹) ماہ نامہ مجلّہ برہان، ج ۷۲، ع ۶، ص ۲۶ (۴۰) الاسلام والمستشر قون، ص ۹ (۴۱) مقالات شبلی، ج ۶، ص ۴ (۴۲) مامون کے دور میں طبی اور فلسفیانہ کتابوں کے ترجمے، ص ۱۲۰ (۴۳) ایضاً، ص ۱۲۳ (۴۴) ایضاً (۴۵) العصر العباسی الاول، ص ۱۰۹ (۴۶) دراسات فی تاریخ العلوم عند العرب، ص ۱۶ (۴۷) العصر العباسی الاول، ص ۱۰۹ (۴۸) الفہرست، ص ۵۶۷ (۴۹) العصر العباسی الاول، ص ۱۰۹ (۵۰) مقالات شبلی، ج ۶، ۸۷ (۵۱) ایضاً (۵۲) ایضاً، ص ۸ (۵۳) تاریخ العلوم عند العرب، ص ۱۱۱ (۵۴) ضحی الاسلام، ج ۱، ص ۲۷۱ (۵۵) ایضاً (۵۶) ایضاً (۵۷) اس تقسیم پر بہت سے علما و مفکرین کا اجماع ہے، دیکھیں: ۱-الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۳۹-۴۴، ۲-اصالة الحضارة العربیة، ص ۴۳۲-۴۳۳، ۳-ضحی الاسلام، ج ۱، ص ۲۶۴-۲۶۵، ۴-حکماے الاسلام، ج ۱، ص ۲۰-۲۱، ۵-ترجمات الکتب الطبیة والفلسفیة فی عصر المامون، ص ۱۳۲ (۵۸) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۳۹ (۵۹) ایضاً (۶۰) ایضاً (۶۱) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۳۹ (۶۲) حرکة الترجمة واعلامہا فی العصر العباسی، ص ۹ (۶۳) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۳۹ (۶۴) ایضاً (۶۵) مقالات شبلی، ج ۶، ص ۱۲ (۶۶) ایضاً (۶۷) ایضاً (۶۸) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۴۰ (۶۹) ایضاً (۷۰) ایضاً (۷۱) ایضاً (۷۲) المامون العباسی، ص ۳۳ (۷۳) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۴۰ (۷۴) تاریخ الفلسفة الاسلامیة، ص ۳۰ (۷۵) ایضاً (۷۶) ہارون الرشید، ص ۴۰ (۷۷) ایضاً، ص ۴۲ (۷۸) ایضاً، ص ۴۵ (۷۹) ایضاً، ص ۵۰ (۸۰) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۴۱ (۸۱) ایضاً (۸۲) ایضاً (۸۳) ایضاً (۸۴) ایضاً (۸۵) بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص ۷۰ (۸۶) ایضاً (۸۷) حکماے اسلام، ج ۱، ص ۷۲ (۸۸) ایضاً، ص ۷۳ (۸۹) طبقات الحکما، ج ۱، ص ۱۸۷ (۹۰) حکماے اسلام، ج ۱، ص ۷۵ (۹۱) ایضاً (۹۲) طبقات الامم، ج ۱، ص ۱۹۷ (۹۳) حکمائے اسلام، ج ۱، ص ۷۶ (۹۴) علم کلام، ج ۱، ص ۳۳ (۹۵) اسماء علماء المسلمین فی الریاضیات، ص ۲۵ (۹۶) مقالات شبلی، ج ۶، ص ۲۱ (۹۷) علم کلام، ج ۱، ص ۳۹ (۹۸) مقالات شبلی، ج ۶، ص ۲۱ (۹۹) تاریخ الآداب العربیة، ج ۲، ص ۶۱ (۱۰۰) حکمائے اسلام، ج ۱، ص ۷۳ (۱۰۱) سہ ماہی مجلّہ جامعہ، ج ۷۰، ع ۱، ص ۴۱ (۱۰۲) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۴۴ (۱۰۳) ضحی الاسلام، ج ۱، ص ۲۶۵ (۱۰۴) الدوائر المتداخلة، ص ۳۰ (۱۰۵) الترجمة العربیة فی الہند بعد الاستقلال، ص ۴۴۔

☆☆☆☆

سفرحج کے مشاہدات اور ٹور کمپنیوں کا استحصال

از:- جناب محبوب الرحمان فاروقی ☆

(۳)

طرزتعمیر لوگ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں جلال اور مدینہ منورہ میں جمال کا نظارہ ہوتا ہے کعبۃ اللہ اللہ کا گھر ہے یہاں ہیبت اور شوق اور خوف پیدا ہونا لازمی ہے، یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ذرا سی بھی بے حرمتی نہ ہوجائے، کوئی بات سوئے ادب نہیں ہونی چاہیے، بہ نسبت اس کے مدینہ منورہ میں خوف کی جگہ شوق و عشق غالب رہتا ہے، حرمین شریفین کی کئی مرتبہ توسیع ہوئی ہے، اب ان دونوں جگہوں پر دو طرز تعمیر کی عمارتیں ہیں، کعبۃ اللہ کے صحن سے ملحق ہر چہار طرف نسبتاً کچھ نیچی محراب نما دیواریں اور چھتیں ترکی خلافت کی تعمیر ہیں، اس کے بعد کی اونچی پتھر کی عمارتیں موجودہ سعودی حکم رانوں کی توسیع ہیں اور ہر بادشاہ کچھ نہ کچھ توسیع کرتا رہتا ہے، سعودی حکم رانوں کی بنائی اونچی تین منزلہ مسجد کی عمارت میں شان و شوکت ہے، جب کہ ترکی دور کی عمارت خوب صورتی اور سکون کا مظہر- انوکھی طرز تعمیر اور مستطیل محرابیں حدِ نگہ تک ایسا منظر پیش کرتی ہیں کہ آنکھیں ان کا اور چھور ہی تلاش کرتی رہیں اور کبھی حد نظر نہ آئے، آپ اگر اس پر غور کرتے رہیں تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کتنا وقت گزر گیا، دھوپ کے وقت مسجد سے کعبۃ اللہ پر پڑا سیاہ غلاف ایک اور ہی منظر پیش کرتا ہے، سونے کے کام سے لکھی عربی عبارتیں نقاشی کا وہ نمونہ پیش کرتی ہیں کہ آپ دیکھتے ہی رہ جائیں، ان آیتوں کو پڑھنا آسان نہیں لیکن سیاہ غلاف جو مہین کپڑے کا ہے، اس کی بُنائی مشین سے اس طرح کی گئی ہے کہ ہر طرف مرکب خانے برابر چھپے ہوئے

☆ نمبر-۱۷-سی، بٹلا ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵۔

ہیں، ان خانوں میں اللہ اور اس کے بعد کلمہ شہادت اور نیچے گوشوں یا مہموں اوریا...... چھپے ہوئے ہیں، جو صرف سورج کی روشنی میں ہی نظر آتے ہیں، باقی اوقات صرف سیاہ رنگ کے غلاف ہی دکھائی دیتے ہیں، جگہ جگہ گھڑیاں لگی ہوئی ہیں، جن میں نماز کے اوقات سرخ رنگ میں دکھائی دیتے ہیں۔

کچھ ایسی طرز تعمیر مسجد نبوی کی بھی ہے، یہاں روضہ پاک سے اصحاب صفہ کے چبوترے اور اس کے بعد دس صف تک ترکی حکم رانوں کی توسیع، اس کے بعد خالی صحن ہے جن پر مشینی سائبان لگے ہیں، پھر اس کے بعد موجودہ سعودی حکم رانوں کی بنائی ایک منزلہ عمارت ہے، یہاں بھی ویسی اونچی عمارت ہے جن میں ستونوں کے نچلے حصہ میں ایئر کنڈیشنڈ سے نکلنے والی ٹھنڈی ہواؤں کے لیے پیتل یا سونے کی پانی سے مزین جالیاں بنی ہوئی ہیں، پوری عمارت اس قدر ٹھنڈی رہتی ہے کہ دیر تک بیٹھنے پر ٹھنڈ کا احساس ہونے لگتا ہے، ہر طرف قرآن شریف خانوں یا چمک دار سبزے ریکوں میں رکھے ہیں، جوتے کے خانے جن پر نمبر پڑے ہوتے ہیں جگہ جگہ رکھے ہوئے ہیں، جگہ جگہ زم زم کے کئی کئی ڈرم رکھے ہوئے ہیں لیکن جو قدیم عمارت ترکی حکم رانوں کی بنائی ہوئی ہے اس کی چھت گنبد خضریٰ سے نیچی ہے، اس پر اوپر چڑھنے کے لیے کوئی سیڑھی بھی نہیں ہے، وہاں کوئی اوپر چڑھ بھی نہیں سکتا، اپنی خوب صورتی، مصوری، رنگوں کی آمیزش، نقوش اور خطاطی اور بلجیم کے شیشوں کی خوب صورت قندیلیں اور گلاسز جن پر اللہ محمد لکھا ہوا ہے، اتنی رنگا رنگی، بے مثال خوب صورتی اور دل کشی کا نمونہ پیش کرتی ہیں کہ خوب صورتی کے لیے مشہور تاج محل بھی اس کے سامنے ہیچ ہے، اگر نگاہ اٹھ جائے تو واپس نہیں لوٹ سکتی، آپ نظارہ کرتے جائیں کبھی سیر نہیں ہوسکیں گے، ہر مرتبہ آپ کو ایک نئی چیز، نئی ڈیزائن، نیا نقش اور نیا نمونہ ملے گا، مسجد نبوی کا نظارہ کرنے کے لیے ایک عمر بھی کم ہے، یہاں وہ سکون اور خاموشی ہے کہ صبح سے شام تک بلکہ رات پونے گیارہ بجے تک جب تک مسجد بند نہ ہوجائے بیٹھے رہیں اٹھ نہیں سکتے، مسجد نبوی رات پونے گیارہ بجے بند ہوجاتی ہے اور پھر پونے چار بجے اس کے دروازے کھلتے ہیں، اس دوران فرش کی دھلائی اور صفائی اور قالینوں کی صفائی ہوتی رہتی ہے، یہ کام مشینوں سے ہوتا ہے، ویسے صفائی کا کام ہر وقت ہوتا رہتا ہے لیکن خالی جگہوں پر، پوری مسجد میں سرخ قالین بچھی ہوتی ہے سوائے ریاض الجنۃ کے، یہاں بھی ہر نماز کے بعد جنازے کی نماز ضرور ہوتی ہے، مجھے بتایا گیا کہ مسجد نبوی میں بھی الگ الگ

اوقات کے لیے الگ الگ امام ہیں جو اعلا سرکاری عہدوں پر فائز ہیں، یہاں کے ہیڈ امام مدینہ منورہ کے چیف جسٹس ہیں، دو اور امام صاحبان ہائی کورٹ کے جسٹس ہیں اور دو مدینہ منورہ یونی ورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر، ہر امام خطیب بھی ہوتا ہے، وہ مکمل سیکورٹی میں تکبیر شروع ہوتے ہی داخل ہوتے ہیں، نماز ختم ہونے کے بعد مکبر کے جنازہ کے اعلان کے بعد سیکورٹی میں دروازے سے باہر نکل کر جنازہ پڑھاتے ہیں اور پھر روانہ ہوجاتے ہیں، مؤذن کے لیے ریاض الجنۃ کے بعد ایک اونچا چبوترہ بنا ہوا ہے جس پر سیڑھیوں سے چڑھتے ہیں، موذن اذان دیتا ہے، مکبر تکبیر کہتا ہے اور تیسرا شخص جنازہ کی تکبیر اور اعلان کرتا، یہی تینوں اصحاب چبوترے پر ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ویسے حاجیوں کی واپسی کے بعد زیادہ تر نمازی صرف ترکی حکومت کی توسیع عمارت میں ہی نماز ادا کرتے ہیں، سعودی حکومت کے اکثر حصے خالی رہتے ہیں، یہاں آنے والے سعودی اور عرب اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو نماز کے لیے لاتے ہیں اور نماز کے بعد جگہ جگہ بیٹھ کر انہیں قرآن شریف پڑھاتے رہتے ہیں، یہاں آنے والے سعودیوں کی اکثریت نماز کے بعد سنت اور نفل بھی دیر تک پڑھتے رہتے ہیں، مکہ معظمہ میں حرم شریف کے اندر بعد مغرب دو جگہ عربی میں وعظ اور ایک جگہ ہندوستانی میں وعظ ہوتا ہے، مدینہ منورہ میں بھی بعد نماز مغرب سے عشا تک دو جگہ عربی میں احادیث کا درس ہوتا ہے، ایک جگہ میں نے لوگوں کو جمع ہوکر تجوید قرآن اور قرأت سیکھتے بھی دیکھا، مسجد نبوی میں پہلی صف میں عام طور پر سعودی باشندے اشراق کے ساتھ ہی آجاتے ہیں، سارے دن بیٹھے رہتے ہیں، قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، درمیان میں ایک دوسرے سے بات بھی کرلیتے ہیں، پھر جیب سے مسواک نکال کر مسواک کرتے ہیں، مسواک کا یہ سلسلہ دوران تکبیر بھی چلتا رہتا ہے، انہیں کھانے پینے کی فراغت ہے، کوئی کام کرنا نہیں اس لیے سارے دن مسجد شریف میں بیٹھنا، عبادت کرنا ہی ان کا مشغلہ ہے، ایک تصور یہ بھی ہے کہ حرم شریف میں لوگ خالی سر نماز پڑھتے ہیں، میں نے حرمین شریف میں دونوں جگہ یہ دیکھا کہ سوائے ان حضرات کے جو احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، سبھی نمازیوں کے سر ڈھکے ہوتے ہیں، عرب تو خیر سر پر رومال ڈالے رہتے ہیں، غیر عرب بھی ٹوپیاں پہن کر ہی نماز پڑھتے ہیں۔

روضہ اقدس پر بار بار جاکر سلام کرنا مناسب نہیں، دن میں ایک دو مرتبہ کافی ہے، چاہے

آپ کا ذوق شوق کچھ بھی ہو لیکن حد ادب یہی ہے کہ ہر وقت حاضری نہ دی جائے، خیال کیجیے کہ آپ کسی کو بار بار جا کر سلام کریں تو وہ کیسا محسوس کرے گا، دوئم دل کی وہ تڑپ بھی کم ہو جاتی ہے، اسی طرح ریاض الجنۃ اور اصحاب صفہ کے چبوترہ پر بھی زیادہ دیر تک یا گھنٹوں بیٹھنا مناسب نہیں، آخر دوسروں کو بھی تو موقع ملنا چاہیے، یہاں قیام کے آخری دنوں میں اتنا موقع تھا کہ کئی گھنٹے بیٹھ سکتے تھے لیکن دو چار رکعت طویل نمازیں پڑھ کر اور اطمینان سے دعا مانگ کر دوسروں کے لیے جگہ خالی کر دیتا، میں چوں کہ آخر میں پہنچا تھا، اس لیے یہاں افریقہ اور ترکی کے لوگ کم تھے، ہاں حج کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعداد انڈونیشیا اور ملیشیا کے لوگوں خصوصاً عورتوں کی ہوتی ہے، بہت خاموش، بھیڑ بھاڑ سے کنارے رہنے والی ان عورتوں کی جسمانی ساخت دیکھ کر ان میں ضعیف اور کنواری کی تمیز کرنا مشکل ہے، ان ممالک کے لوگ اور خصوصاً لڑکیاں اپنا پیسہ جمع کرتی ہیں، خوب صورتی اور زیورات پر بالکل نہیں خرچ کرتیں اور شادی سے پہلے عموماً نوجوان مرد اور عورتیں حج ضرور کر لیتی ہیں، یہ جھنڈ میں رہتی ہیں، ان ممالک کے مرد مختلف ڈیل ڈول کے ہوں لیکن عورتیں سب ایک سانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں، ایک جیسا برابر کا قد، ایک بناوٹ، ایک جیسا لباس، ایک جیسا جسم، نہ موٹی، نہ دبلی، پیروں میں موزے، ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے ہر نماز میں شامل، حرم شریف کے نزدیک ان کے ٹھہرنے کا انتظام ہوتا ہے، یہ خریداری بھی کرتی نہیں دکھائی دیں، زیادہ تر خریداری ہندوستانی، پاکستانی مرد اور عورتیں کرتی ہیں۔

مدینہ منورہ کی زیارت گاہیں مدینہ منورہ میں بس میں بٹھا کر زیارت کے لیے لے جایا گیا، یہ پتہ نہیں چل سکا کہ بس کا انتظام طفیل نے کیا تھا یا فیض الرحمٰن نے یا ہمارے معلم کی طرف سے بس آئی تھی، صبح ساڑھے سات بجے ہم زیارت کے لیے روانہ ہوئے، خوش قسمتی سے اس بس میں ہمارے لیے گائیڈ بھی تھے، یہ ایک پاکستانی نژاد مدینہ منورہ کے باشندے تھے جو اردو بول رہے تھے، قاری کلیم اللہ نے دعا کے بعد مختلف احادیث سنا کر اس جگہ کی اہمیت کا احساس کرایا، جہاں جہاں ہماری بس گزرتی ان جگہوں اور مقامات کے بارے میں تاریخ سے تفسیر اور احادیث سے اس کی تفصیل بتاتے جاتے، ہماری بس حرم کا چکر کاٹ کر جنت البقیع کا احاطہ کرتے ہوئے مسجد عثمان پہنچی، مسجد بند تھی بس رکی نہیں، یہیں حضرت عثمان غنیؓ کا مکان تھا جہاں وہ شہید ہوئے تھے، پھر

مسجد عمر گئے، جہاں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کا مکان تھا، پھر مسجد باب العنبرہ جو پہلے بھی تجارت گاہ تھی اور آج بھی کھجوروں کی سب سے بڑی منڈی ہے، اب یہاں حضرات صحابہ کرامؓ کے مکانات کے چند کھنڈرات اسی حالت میں بچے ہوئے ہیں، ان مکانوں کے کھنڈرات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بڑی بیٹی حضرت اسماءؓ کے دو بیٹے حضرت سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت سیدنا عروہ بن زبیرؓ کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں، بس کہیں رکی نہیں گزرتی رہی۔

مسجد بیر سقی: یہاں تک حضور پاک ﷺ مہمانوں کو چھوڑنے آتے تھے، یہاں سے آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو رخصت کیا تھا جب آپ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تھا، حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے تین مرتبہ کہا تھا کہ مجھے دیکھ لو اب جب تم لوٹ کر آؤ گے تو میری قبر پر آؤ گے، غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تھے تو یہاں وضو فرمایا تھا۔

اس درمیان عہد عثمانی کا وہ ریلوے اسٹیشن بھی نظر آیا جب عہد عثمانی میں استنبول سے مدینہ منورہ تک ریل چلائی گئی تھی، اب اسے میوزیم میں تبدیل کیا جا رہا ہے اور اس کے اندر ریل چلے گی، اس کے بعد وادی عقیق نظر آئی، اب جگہ برابر ہو گئی ہے، یہاں پہلے اونٹوں کا بازار لگتا تھا، پھر ہم نے باب ہجرہ دیکھا، ایک بڑا سا دروازہ ہے، مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آتے وقت آپ ﷺ جہاں سے اندر داخل ہوئے تھے، پھر قبا کا علاقہ نظر آیا، قبا میں پہلے آں حضرت ﷺ نے حضرت کلثوم بن حزم کے مکان میں قیام فرمایا تھا، پھر بعد میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں منتقل ہو گئے، یہیں پہلی مسجد جسے قبا کہتے ہیں تعمیر کی گئی، یہاں رک کر ہم نے دو رکعت نماز نفل ادا کی، اس مسجد میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، مسجد قبا سے ہوتے ہوئے بئیر عریس یا بئیر خاتم تک پہنچے، اب یہ کنواں بند ہو گیا ہے صرف نشان باقی ہے، مشہور اور مقدس انگوٹھی جسے خاتم نبوت کہتے ہیں، حضرت عثمان غنیؓ کی انگلی سے نکل کر اسی کنویں میں گر گئی تھی، بہت تلاش ہوئی لیکن نہیں مل سکی، جب تک یہ خاتم نبوت آپ کی انگلی میں رہی امن وسکون رہا، اس کے گرتے ہی ہر طرف فساد بپا ہو گیا، پھر ہم نے مسجد جمعہ دیکھا، مسجد بند تھی، یہاں حضور پاک ﷺ نے قبا میں قیام کے دوران جمعہ کی پہلی نماز پڑھی تھی، ہم نے وہ جگہ دیکھی جہاں قبیلہ نجار کے لوگ رہتے تھے جو آنحضرت ﷺ کے ننہالی عزیز تھے، اس کے بعد مسجد رودِ شمس سے ہماری بس گزری، مشہور ہے کہ

ایک بار حضرت علیؓ کی عصر کی نماز قضا ہوگئی تھی، آپ غم گین حضور ﷺ کے پاس پہنچے، حضور پاک ﷺ نے اشارہ کیا، سورج لوٹ آیا اور حضرت علیؓ نے عصر کی نماز وقت پر ادا کی۔

اس کے بعد ہماری بس بیر عریس سے گزری، یہاں وہ کنواں تھا جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو وصیت کیا تھا کہ میرے وصال کے بعد اس کنویں کے سات ڈول پانی سے مجھے غسل دینا، یہاں جنت کا پانی تھا جو واپس چلا گیا، یہ کنواں خشک ہوگیا، پھر سیدنا سلمان فارسیؓ کا باغ نظر آیا جو آج بھی بہت زیادہ سرسبز تھا، جس پر خاک شفا ملتی تھی جسے اب بند کردیا گیا ہے، اس کے بعد مسجد بلال نظر آئی، پھر ان پہاڑوں کے پاس پہنچے جہاں غزوۂ احد ہوا تھا، ہجرت کے تیسرے سال اس کے ساتھ وہی متبرک احاطہ ہے جہاں سید الشہدا حضرت امیر حمزہؓ، حضرات صحابہؓ میں قرآن کے پہلے قاری حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سیدنا حنظلہ بن عامرؓ اور دوسرے شہدائے کرام مدفون ہیں، دروازہ بند رہتا ہے، یہاں باہر سے ہی سلام کیا اور فاتحہ پڑھا، ساتھ ہی ان حضرات کی برکت سے اپنے لیے مغفرت کی دعا مانگی، لوگ ان پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے، تھوڑی دیر رک کر ہماری بس روانہ ہوئی، یہاں چھوٹی موٹی بازار لگی تھی اور افریقن عورتیں طرح طرح کی جڑی بوٹیاں فروخت کررہی تھیں، یہاں سے ہماری بس بیر عثمان جو اب چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے دیکھتے ہوئے آگے بڑھے، مشہور ہے کہ یہ ایک یہودی کا کنواں تھا جو مسلمانوں کو مہنگے داموں پر پانی فروخت کرتا، حضرت عثمان غنیؓ نے اسے اس یہودی سے چالیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردیا تھا، آنحضرت ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی تھی، پھر اس کے بعد مسجد قبلتین گئے جہاں نماز پڑھتے ہوئے قبلہ تبدیل کرنے کی آیت اتری تھی اور آنحضرت ﷺ نے نماز کے دوران ہی اپنا رخ بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف کرلیا تھا، یہاں بھی ہم نے رک کر نماز ادا کی، اس کے بعد ہم نے محسن الحیدری کی کھجور پیکنگ کرنے کی فیکٹری دیکھی، یہاں عجوہ کے علاوہ دیگر کھجوریں کھا سکتے تھے اور کھجوریں خرید سکتے تھے، بہت سے لوگوں نے یہاں سے کھجوریں خریدیں، پھر لوٹتے ہوئے ہم نے اس علاقہ کو دیکھا جہاں ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ احزاب کے وقت مدینہ منورہ کو محفوظ کرنے کے لیے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر خندقیں کھودی گئی تھی، اب ان کا نام و نشان باقی نہیں ہر جگہ وسیع پکی سڑکیں

ہیں، اونچی اونچی عمارتیں اور بازار ہیں، ہم لوٹ کر ہوٹل آئے ظہر کا وقت ہونے والا تھا، اس لیے وضو کر کے مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوگئے، لائبریریاں دیکھنے کی ہماری خواہش یہاں بھی پوری نہیں ہوئی، ہم نے مکہ معظمہ اور یہاں بھی کتابوں کی دکانیں دیکھیں، زیادہ تر کتابیں عربی کی ہوتی ہیں، انگریزی اور اردو کی شاذ و نادر اور سب ایک ہی مکتبۂ فکر کی، بہرحال ہم نے ادارہ سلفیہ ممبئی کی شائع طب نبوی جو حضرت ابن قیم الجوزی کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے اور اطلس القرآن جو قصص الانبیا کے طرز پر لکھی گئی ہے خرید لیا، گرچہ ہمارے لحاظ سے کتابیں مہنگی تھیں، ہندوستان میں تو شاید اتنی مہنگی کتاب نہ خریدتے، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور ہر شہر میں بڑے بڑے سپر اسٹور ہوتے ہیں، یعنی ایک دکان اتنی بڑی جس میں پورا محلہ سما جائے، جیسے دہلی میں سپر بازار تھا، جہاں دنیا کی ہر چیز یعنی سونے چاندی سے لے کر ہری سبزی اور ہر ملک کی اور ہر قسم کی ہمہ وقت ملتی رہتی تھی، سامان بھی اعلا کوالٹی کا ہوتا ہے، سعودی عرب میں ہر سامان اعلا قسم کا ہی ملتا ہے، ایک دوسری خاص بات جب اذان شروع ہوئی دکانیں بند ہوگئیں، اگر بند نہیں ہوئیں تو کپڑے یا چادر سے ڈھانک دی گئیں، فٹ پاتھ پر سامان بیچنے والے چادر ڈال کر نماز کے لیے چلے جاتے تھے، دکانیں خالی، سونے چاندی کے زیورات سے لے کر قالین اور جائے نماز اور سرمہ بیچنے والی ہر دکان، دکان دار غایب لیکن مجال کیا کہ کبھی کوئی چیز ادھر سے ادھر ہوجائے، یہ ہے قانون و انصاف، یہاں تو تبلیغی جماعت کے مرکز کے سامنے اذان کیا نماز کے دوران بھی خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے اور جگہوں کا ذکر ہی کیا اور اگر کوئی دکان کھلی ہے اور دکان دار نہ ہو تو دو منٹ میں پوری دکان خالی ہوجائے گی، دکان پر دوسرے شخص کا قبضہ ہوجائے گا، یہ ہے ایک جگہ قانون کی بالادستی اور دوسری جگہ بے عملی۔

اب کچھ اپنے حج کے بارے میں جیسا کہ شروع میں کہہ چکے ہیں کہ ہم گئے تھے حج کی نیت سے لیکن صرف زیارت کرکے لوٹ آئے، اس لیے کہ اتنی غلطیاں ہوگئیں، ارکان کی ادائگی بھی صحیح نہیں ہوسکی، ہر غلطی اور مستحبات کے چھوٹنے پر دم بھی نہیں دے سکے کہ ہم پر حج اب بھی باقی رہ گیا، اب اس فرض کی ادائگی اللہ تعالیٰ ہی کرا سکتا ہے، اسی کی مرضی پر منحصر ہے، ہم ۷؍ذی الحج کی شام جدہ ایئر پورٹ پہنچے، جدہ ایئر پورٹ پر طفیل کی بدنظمی کے سبب ساری رات جاگتے رہے، دوسرے دن صبح آٹھ بجے بس ملی، جب حاجی لوگ منیٰ کے لیے روانہ ہوچکے تھے، ہم مکہ معظمہ دن میں ڈیڑھ بجے

کے قریب پہنچے، پھر ایک کال کوٹھری میں سامان رکھنے کے بعد جب حرم شریف کے لیے روانہ ہوئے ظہر کی جماعت ہو چکی تھی، طفیل نے نہ تو کسی سے یہ بتایا کہ اسے کیا کرنا ہے، کیسے احرام باندھنا ہے، احرام باندھنے کے وقت کیا نیت کرنی ہے، ہم نے دہلی ایئرپورٹ میں دیکھا تھا کہ کچھ لوگوں نے احرام باندھ لیا لیکن نماز نہیں پڑھی، انہیں معلوم ہی نہیں تھا، کتنے لوگوں سے نماز کی تاکید ہم نے کی، انہیں نیت کرنے کو کہا، نہ ہی طفیل نے کسی سے کہا کہ انہیں طواف کیسے کرنا ہے، عمرہ کرنا ہے، کیا کرنا ہے اور یہاں سے کس وقت ہم منیٰ کے لیے روانہ ہوں گے، جو صاحب ہمیں لے کر حرم شریف گئے وہ وہاں سے کہیں غایب ہو گئے، ہم نے اپنے حساب سے طواف قدوم کی نیت کی، حالانکہ ہم ساری کتابیں پڑھ چکے تھے، ساری معلومات تھیں لیکن ساری رات جاگنے، طفیل کی بدنظمی اور بے تعلقی اور محترمہ کی پیروں کی تکلیف کی بہ دولت سب کچھ بھول گئے، ہم نے حج قران کی نیت کی تھی، جس میں ایک ہی احرام میں عمرہ اور حج دونوں کیا جاتا ہے، میں عمرہ کی نیت کرنا بھول گیا، یاد ہی نہیں آیا کہ عمرہ کرنا ہے بس طواف قدوم کی نیت کر لی، طواف پورا کر کے جب باہر آئے، عصر کی اذان ہو رہی تھی، سعی کرنا یاد نہیں رہا نہ یہ معلوم ہو سکا کہ صفا مروہ کہاں اور کتنی دور ہے، دو ایک اور اصحاب جو ہمارے ساتھ آئے تھے اور ملے وہ بھی نابلد، دو ایک لوگوں نے بتایا کہ سعی نہیں کیا تو کوئی بات نہیں، طواف زیارت کے وقت کر لینا، عصر کی نماز کے بعد اب واپسی کا راستہ بھول گئے، جہاں ہمارا سامان تھا وہ جگہ یاد نہ رہی، اسی ذہنی کوفت میں تھے کہ ہوٹل کیسے پہنچیں، بس اگر منیٰ چلی گئی تو ہم لوگ کیا کریں گے، منیٰ میں ہمیں آج ساری نمازیں پڑھنی تھیں اور ہم ابھی تک مکہ میں تھے، وہ تو اللہ جزائے خیر دے حسن اشرف صاحب کو کہ انہوں نے چائے پلائی اور ہوٹل تک ہمیں چھوڑنے بھی آئے، یہاں پہنچ کر ہم نے اپنا بیگ ٹھیک کیا، مغرب کی نماز پڑھی اور بس کا انتظار کرنے لگے، منیٰ میں ۱۲ تاریخ کو جمرات نہ کر سکنے کا بہت پہلے لکھ چکے ہیں، دہلی واپس آنے پر جب میں نے دوبارہ کتابیں دیکھیں تو یاد آیا کہ ہم نے عمرہ بھی نہیں کیا، بعد میں جتنے عمرے کیے اس کے لیے احرام باندھ کر مسجد عائشہ نہیں گئے بلکہ اپنے کمرے سے ہی احرام باندھتے، بہرحال مستحبات چھوٹ جانے اور مکہ میں دم نہ دینے کے سبب حج ہوا یا نہیں، نہیں کہہ سکتا، حالاں کہ حج کے فرایض تو ادا ہو گئے لیکن شاید حج اب بھی باقی رہا، طفیل ہی کی ساری بدنظمی اور بے تعلقی کے سبب ہمارا حج نہیں ہو سکا۔

طفیل نے ہر حاجی سے الگ الگ بہت سے پیسے لیے تھے، ہم نے فی نفس ۸۵ ہزار دے دیے، کسی نے ۸۰، کسی نے ۷۵، کسی نے ۹۰، جب ہم لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم لوگوں سے بھی ۸۰ لو، کم از کم دس ہزار تو واپس کر دو تو اس نے بتایا کہ میرے ہمدرد پرویز نے اسے پہلی مرتبہ ۴۰ ہزار کی قسط کی جگہ صرف ۲۵ ہزار ہی دیے تھے، اس نئے انکشاف پر ہم متحیر رہ گئے، میں نے کہا لکھ کر دو، اس نے لکھ کر دینے سے انکار کر دیا، ظاہر ہے کہ تحریری ثبوت کی عدم موجودگی پرویز نے بھی اسے جھوٹا ہی کہا، طفیل کی کذب بیانی کا ہمیں سخت تجربہ ہو چکا تھا، ہم اب کیا کر سکتے تھے۔

میں نے یہ سارے واقعات تفصیل سے طفیل کے نام کے ساتھ صرف اس لیے لکھا ہے کہ اس کے پڑھنے والے آگاہ ہو جائیں، جو لوگ حج کا ارادہ کر رہے ہوں انہیں آگاہ کر دیں کہ ایسے کسی ٹور گروپ کے ساتھ کبھی نہیں جائیں جو وزارت حج (وزارت خارجہ کا شعبہ) سے اس خاص مقصد کے لیے رجسٹرڈ نہ ہو، کم از کم رجسٹرڈ گروپ کی بدنظمی کے خلاف آپ شکایت کر سکتے ہیں، جو غیر رجسٹرڈ ہیں ان کے ساتھ آپ کیا کر سکتے ہیں، بہتر ہو کہ سبھی لوگ جو ارادہ کر رہے ہیں حج کمیٹی کے ہمراہ ہی جائیں، میں نے دیکھا کہ حج کمیٹی والے مکہ معظمہ میں بھی اور مدینہ منورہ میں بھی حاجیوں کو حرم شریف سے ملحق عمارتوں میں ٹھہراتے ہیں، منیٰ میں بھی ان کے خیمے ایسی جگہ لگتے ہیں جہاں جمرات قریب تر ہو، ان کی ہر فلائیٹ میں ایک تجربہ کار عالم جاتا ہے جو نہ صرف قدم قدم پر حاجیوں کی راہ بری کرتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ ارکان بھی ادا کراتے ہیں، حج کمیٹی حاجیوں کے کھانے کا انتظام نہیں کرتی لیکن اس کے لیے حاجیوں کو ایرپورٹ پر دو تین ہزار ریال دے دیتی ہے تاکہ انہیں ہر طرح کی سہولت ہو، اکثر حاجی اس میں سے بچا کر بھی لاتے ہیں، اس کے علاوہ حاجیوں کی واپسی پر ہندوستان کے ایرپورٹ پر انہیں زم زم کے بڑے ڈبہ ہدیہ میں دیتی ہے، جو حاجیوں کے سامان میں وزن نہیں ہوتا ہے، ہم نے دس لیٹر زم زم لیا جو ہمارے سامان کے ساتھ وزن ہو گیا، زیادہ وزن ہونے پر سب کو الگ الگ سے فیس دینی پڑی، جہاں تک ممکن ہوتا ہے حج کمیٹی کے لوگ حاجیوں کی ہر پریشانی کا خیال رکھتے ہیں، ان کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں، بہتر ہے کہ آپ تجارت اور منافع کی غرض سے چلائے جا رہے ان پرائیویٹ ٹور گروپوں سے جہاں تک ممکن ہو سکے بچیں، میرے لیے بھی دعائے خیر کریں اور یہ بھی دعا کریں کہ اللہ مجھے ایک موقع اور دے دے کہ میں اپنے حج کی کوتاہیوں کو دور کر کے فرض کی ادائیگی کر سکوں۔

☆☆☆☆

''مسلم'' اور ''مسلمان''

سے ترتیب دیے گئے اشعارِ اقبال کی معنویت

از - محمد بدیع الزماں صاحب☆

قرآن مجید میں لفظ ''مسلم'' اور اس کے مشتقات اسلام، مسلمون، مسلمین اور مسلم وغیرہ جو آئے ہیں، علامہ اقبال نے ''مسلم'' کو قرآنی معنوں میں بہ طور اصطلاح استعمال کیا ہے۔

''مسلم'' (یعنی مسلمون اور مسلمین) کی تعریف ایک موقع پر حضرت ابراہیم کے سلسلہ میں سورۃ البقرہ کی درج ذیل آیت ۱۳۱ میں اس طرح وارد ہوئی ہے:

''اس (حضرت ابراہیمؑ) کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا ''مسلم ہوجا'' (اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ) تو اس نے فوراً کہا: ''میں مالک کائنات کا ''مسلم'' ہوگیا'' (قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ)۔

اور پھر اگلی آیت ۱۳۲ میں فرمایا گیا ہے:

''اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اس (حضرت ابراہیمؑ) نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ اپنی اولاد کو کر گیا تھا، اس نے کہا تھا کہ: ''میرے بچو، اللہ نے تمہارے لیے یہی دین (یعنی اسلام) پسند کیا ہے، لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا (فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ)''۔

پھر ''مسلم'' کی مزید وضاحت اگلی آیت ۱۳۳ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے یہ فرمائی گئی ہے:

''پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے

☆ ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، ہارون نگر، فرسٹ سیکٹر، پھلواری شریف، پٹنہ۔

مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: ''بچو، میرے بعد تم کس کی بندگی کروگے؟'' ان سب نے جواب دیا: ''ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ)''۔

''مسلم'' ہونے کے تقاضوں پر قرآن میں ایک بار حضرت عیسیٰؑ کا ذکر لاکر ارشاد ہے:

''جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا: ''کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟'' حواریوں (یعنی انصار) نے جواب دیا: ''ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے والے) ہیں (وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ)''۔

ایک موقع پر ''مسلم'' کی تعریف اہل کتاب کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس طرح ذہن نشیں کرائی گئی ہے:

''اے نبی، کہو: ''اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں (فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ)''۔

لفظ ''مسلم'' کی ماہیت سورۃ الانعام کی درج ذیل آیات ۱۶۲ اور ۱۶۳ میں یہ بھی وارد ہوئی ہے کہ:

''(اے نبی)، کہو: ''میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں (وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)''۔

مرتے دم تک اللہ کی رضا میں محو ہوجانے پر یہ بھی فرمایا گیا ہے:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو (وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ)'' (آل عمران: ۱۰۲)

الغرض، قرآن کی مندرجہ بالا ساری آیات کی رو سے ''مسلم'' اسے کہتے ہیں جو خدا کے آگے سر اطاعت خم کردے، خدا ہی کو اپنا مالک، آقا، حاکم اور معبود مان لے، جو اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے سپرد کردے اور اس ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے جو خدا کی طرف سے آئی ہو، اس اعتبار سے اسی عقیدے اور اسی طرز عمل کا نام ''اسلام الٰہی'' اور یہی تمام انبیا کا دین تھا جو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں آئے۔

اقبال کے کلام میں ''مسلم'' یا ''مسلمان'' سے ترتیب دیے گئے اشعار کو گرفت میں لانے کے لیے ان کی ساری ماہیت جو متذکرہ بالا آیات میں وارد ہیں، پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

مسلم ایسے تو اقبال کے کلام میں ''مسلم'' سے ترتیب دیے گئے اشعار بہت اشعار ہیں مگر چند اشعار جن میں اس کی قرآنی ماہیت بیان کی گئی ہے، درج ذیل ہیں:

ہم نشیں مسلم ہوں میں، توحید کا حامل ہوں میں — اس صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں
نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے — اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے
قسمت عالم کا مسلم کوکب تابندہ ہے — جس کی تابانی سے افسونِ سحر شرمندہ ہے
(بانگ درا۔ ''مسلم'')

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک — عدل اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک
شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک — تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک
(بانگ درا۔ ''جواب شکوہ'' ۔ اٹھارہواں بند)

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
(بانگ درا۔ ''جواب شکوہ'' ۔ سترہواں بند)

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طور سے — اے کہ تیرے نقشِ پا سے وادیٔ سینا چمن
آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز — ہوگیا آنکھوں سے پنہاں کیوں ترا سوزِ کہن؟
تھا جواب صاحب سینا کہ مسلم ہے اگر
چھوڑ کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
(بانگ درا۔ ''کفر و اسلام'')

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار
(بانگ درا۔ ''خضر راہ'' ۔ طلوع اسلام)

مسلمان اقبال کے کلام میں ''مسلمان'' کی بھی قرآنی ماہیت وہی ہے جو ''مسلم'' کی اوپر بیان کی گئی ہے، فرق یہ ہے کہ ''مسلم'' عربی زبان کا لفظ ہے اور ''مسلمان'' فارسی زبان کا۔

اقبال ''مسلمان'' سے کیا مراد لیتے ہیں اسے انہوں نے ''ضرب کلیم'' کی نظم ''مرد مسلماں'' کے درج ذیل اشعار میں واضح کیا ہے:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے — دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمن

اقبال کے کلام میں ''مسلمان'' سے بہ طور اصطلاح ''مسلم'' ہی کے قرآنی معنوں میں چند اشعار یہ ہیں:

جنسِ نایاب محبت کو پھر ارزاں کردے — ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کردے
(بانگ درا۔ ''شکوہ'' ۔ ستائیسواں بند)

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا — اس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا
(بانگ درا۔ ''جواب شکوہ'' ۔ انیسواں بند)

جو مسلماں تھا اللہ کا سودائی تھا — کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا
(بانگ درا۔ ''جواب شکوہ'' ۔ آٹھواں بند)

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
(بانگ درا۔ ''جواب شکوہ'' ۔ سترہواں بند)

دل ہے مسلماں مرا نہ تیرا — تو بھی نمازی، میں بھی نمازی
(”بال جبریل“- غزل ۵۲)

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر — اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر
(بانگ درا- ”جواب شکوہ“- بیسواں بند)

مردِ مسلماں اقبال نے ”مسلماں“ سے کئی دیگر اصطلاحیں وضع کی ہیں جن میں ایک ”مردِ مسلماں“ ہے، ”مسلماں“ اور ”مردِ مسلماں“ میں اقبال کے یہاں اصطلاحاً یہ فرق ہے کہ اول الذکر دینِ اسلام کا پیرو اور اس کا ترجمان ہے اور موخر الذکر اس دین کے ماننے والوں میں ایسا شخص ہے، جس کا جذبہ ایمانی جہاد فی سبیل اللہ کے راستہ پر بلا خوف گامزن ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔

”مردِ مسلماں“ سے اقبال کیا مراد لیتے ہیں اس کی وضاحت انہوں نے ”ضرب کلیم“ کی نظم ”مردِ مسلماں“ میں کی ہے، جس کے چند اشعار اوپر ”مسلماں“ کے ذیلی عنوان کے تحت نقل کیے جا چکے ہیں، جس کے ہر شعر کے ہر مصرعہ میں قرآنی آیات نگینہ کی طرح جڑ دی گئی ہیں، طوالت کی وجہ سے وہ قرآنی آیات یہاں نہیں نقل کی گئیں۔

”مردِ مسلماں“ سے اقبال کے کلام میں بہت اشعار ہیں، چند درج ذیل ہیں:

گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی
(بانگ درا- ”طلوعِ اسلام“- چوتھا بند)

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں، کہ ہے — اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل
(بال جبریل- ”مسجد قرطبہ“- چوتھا بند)

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
(ضرب کلیم- ”اشتراکیت“)

یہ فقر مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے — رہی نہ دولت سلمانی و سلیمانی
(ضرب کلیم- ”فقر و راہبی“)

مسلمانی اقبال نے ”مسلماں“ سے ایک اصطلاح ”مسلمانی“ وضع کی ہے جو اردو زبان کا لفظ ہے، اقبال کے نظام فکر میں ”مسلمانی“ نام ہے اسلام کو اپنے لیے ضابطۂ حیات کی حیثیت سے قبول کر لینے کا، اسلام کے لیے دیے ہوئے طریقِ فکر اور طرزِ زندگی کے خلاف کسی قسم کی مزاحمت باقی نہ رکھنے کا اور یہ طے کر لینے کا کہ اب اسی کی پیروی میں زندگی بسر کریں گے، ان کی یہ اطاعت محض ظاہری نہیں بلکہ دل سے اسلام کی رہنمائی کو حق ماننے کی وجہ ہے، ان کا ایمان یہی ہے کہ فکر و عمل کا جو راستہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ نے دکھایا ہے وہی سیدھا اور صحیح راستہ ہے اور اسی کی پیروی میں ان کی فلاح ہے۔

ایمان کی صحیح کیفیت جو ”مسلمانی“ کی راہ اختیار کرنے سے پیدا ہوتی ہے اسے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے:

”ایمان کا لذت شناس ہو گیا وہ شخص جو راضی ہوا اس بات پر کہ اللہ ہی اس کا رب ہو اور اسلام ہی اس کا دین ہو اور محمد ﷺ ہی اس کے رسول ہوں“ (مسلم)۔

صرف ”مسلمانی“ کی اصطلاح سے اقبال کے کلام میں درج ذیل چار اشعار ہیں:

اگر ہو عشق، تو ہے کفر بھی مسلمانی — نہ ہو، تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق
(بال جبریل- ”غزل ۱۱- دوم“)

مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود — خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی
(ضرب کلیم- ”سلطانی“)

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی — تری نگاہ میں ہے اک فقر و رہبانی
(ضرب کلیم- ”فقر و راہبی“)

ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہے عاری — ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی
(ضرب کلیم- ”محراب گل افغان کے افکار- ۱۸“)

اقبال نے ”مسلمانی“ سے درج ذیل آٹھ تراکیب وضع کی ہے اور ہر ترکیب کو بہ طور اصطلاح استعمال کیا ہے:

۱- شرعِ مسلمانی، ۲- جذبِ مسلمانی، ۳- صہبائے مسلمانی، ۴- اندازِ مسلمانی،

۵-رمزِ مسلمانی، ۶-ننگ مسلمانی، ۷-معراج مسلمانی، ۸-میراثِ مسلمانی۔

ان آٹھ تراکیب سے ترتیب دیے گئے اشعار درج ذیل ہیں:

اک شرعِ مسلمانی، اک جذبِ مسلمانی　　ہے جذبِ مسلمانی، سرِّ فلک الافلاک
(بال جبریل-''غزل ۱۸'')

یا شرعِ مسلمانی، یا دَیر کی دربانی　　یا نعرۂ مستانہ، کعبہ ہو کہ بت خانہ
(بال جبریل-''غزل ۴۷'')

اے رہبرِ فرزانہ! بے جذبِ مسلمانی　　نے راہِ عمل پیدا، نے شاخِ یقیں نمناک
(بال جبریل-''غزل ۱۸'')

صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا　　تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی
(ضربِ کلیم-''محراب گل افغان کے افکار-۲۰)

ہر کوئی مست مے ذوقِ تن آسانی ہے　　تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟
(بانگ درا-''جواب شکوہ''-بیسواں بند)

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی　　اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی
(بانگ درا-''طلوع اسلام''-چوتھا بند)

مجھ کو تو سکھا دی ہے، افرنگ نے زندیقی　　اس دور کے مُلّا ہیں کیوں ننگِ مسلمانی
(بال جبریل-''غزل ۱۵-اول'')

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں　　کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی
(بال جبریل-''ایک نوجوان کے نام'')

ایک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری　　میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری
(بال جبریل-''فقر'')

نامسلمانی اقبال نے ''مسلمانی'' سے ایک اصطلاح ''نامسلمانی'' بھی وضع کی ہے، یہ لفظ لغت میں تو نہیں، صرف اقبال کی اختراع ہے، اس اصطلاح سے اقبال کے کلام میں کل دو اشعار ہیں جو دو درج ذیل رباعیوں میں الگ الگ آئے ہیں، جو ''مسلمانی'' کی ضد ہے:

حکیمی نامسلمانی خودی کی　　کلیمی رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گر فقر و شاہی کا بتا دوں　　غریبی میں نگہبانی خودی کی
(بال جبریل-''رباعی'')

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد　　تجلی کی فراوانی سے فریاد
گوارا ہے اسے نظارۂ غیر　　نگہ کی نامسلمانی سے فریاد
(ارمغان حجاز-''رباعی'')

اقبال کامل

از:- مولانا عبدالسلام ندوی

علامہ اقبال اور ان کے کلام پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ شاید ہی کوئی پہلو تشنہ رہ گیا ہو، اس کے باوجود اقبالیات پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جو ان کی شاعری کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو، اس کتاب کی تالیف کا اصل مقصد یہی ہے کہ مصنف کے زمانے تک علامہ اقبال پر جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کو نقد و تبصرہ کے ساتھ مرتب طریقے سے ایک جگہ جمع کر دیا جائے، چنانچہ اس میں ان کی مفصل سوانح حیات، ان کی مذہبیت، اخلاق و سیرت، افکار و خیالات اور تصانیف پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ان تصانیف کا بھی ذکر ہے، جن کی تالیف ان کے پیش نظر تھی مگر انہیں ان کے لکھنے کا موقع نہ مل سکا، اس کے بعد ان کی شاعری کی تاریخی سرگزشت اور اس کے مختلف ادوار قایم کر کے ہر دور کے کلام پر الگ الگ تبصرہ کیا گیا ہے، اسی طریقے سے ان کی فارسی شاعری پر بھی ریویو ہے، اس کے بعد ان کے کلام کے ادبی محاسن دکھائے گئے ہیں اور اس کی شہرت و مقبولیت اور مختلف زبانوں میں ان کے تراجم کا ذکر ہے، اس سلسلے میں ان کی ادبی و لسانی فروگزاشتیں بھی دکھائی گئی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ خودی پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اس کے اجزا و عناصر پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر نظریہ ملت، تعلیم، سیاسیات، صنف لطیف، فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کے بارے میں ان کے خیالات پیش کیے گئے ہیں، آخر میں نعتیہ کلام پر تبصرہ ہے۔　　قیمت: ۷۵ روپے

ضمیمہ چیچینیا

از:- کلیم صفات اصلاحی ☆

راقم نے "اسلامی جمہوریہ چیچینیا" کے عنوان سے معارف فروری ۲۰۰۵ء میں جو مضمون سپرد قلم کیا تھا، اس کی اشاعت کے بعد پندرہ روزہ ملی گزٹ دہلی شمارہ، ۱ر-۱۵ر جنوری میں یہ تحریر نظر سے گزری جو بعض نئے معلومات پر مشتمل ہے، اس لیے اپنے فروری کے مضمون کے ضمیمے کے طور پر ملی گزٹ کی تحریر کی تلخیص پیش کر رہا ہوں۔

عام مورخین و محققین کے بیان کے مطابق چیچن کا اصل ملکی نام نخچیو یا وتخ ہے لیکن پروفیسر دیپک بسو کی تحقیق کے بہ موجب چیچن وتخ سے الگ ایک قبیلہ تھا جو قفقاز کے بہت سے قبائل میں ایک تھا لیکن اب وہاں کے بہت سے قبائل معدوم ہو چکے ہیں، ۱۶ویں صدی عیسوی سے وتخ قفقاز کے دوسرے خاندانوں سے مناکحت اور رشتے کرنے لگے، وہاں کے مشہور خاندانوں میں جس طرح چیچن، کسٹس، انگش، Kmyuiks، آز، دارجنس، لیکس لیزجنس، تباسارانس، آگلس، کیارڈنس، Tatar, Nogais, Karachais, Balkars, Tsakhurs, Rutuls، یڈانجس، چیر یکس، المازنس تھے، اسی طرح وتخ بھی تھے جو جارجین، توشنس بولی بولتے تھے، جنوبی قفقاز میں رائج زبان کا تعلق آئیبرین-قفقاز زبان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان قدیم امریکن زبان ہزو-یورارٹین سے بہت حد تک مماثل ہے، جنوبی قفقاز ہی میں آباد سیتھین قبیلہ سارماٹین زبان بولتا ہے جو انڈو-یوروپین کی قدیم زبان میں سے ایک ہے، ۱۰ویں صدی عیسوی سے پہلے ترکی لفظ چیچن کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔

یہ زسلطنت جو اس وقت چیچن اور داغستانی ماؤنٹین کے نام سے جانی جاتی ہے، چوتھی سے بارہویں صدی عیسوی تک قایم رہی، اس کے بعد جنوبی قفقاز میں الان کی شخصی حکومت و

☆ اسکالر دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

سلطنت وجود میں آئی، تیمور لنگ نے چودہویں صدی عیسوی کے اختتام پر اس کا خاتمہ کیا۔

ساتویں سے نویں صدی عیسوی میں وتخ سے روس کے تعلقات کی ابتدا ہوئی اور دونوں نے متحدہ محاذ بنا کر خضر خان سے جنگ کی، اس زمانہ میں چیچینیا خضر خانی سلطنت کا حصہ تھا، روسی اور قفقازی باشندوں نے مل کر گیارہویں صدی عیسوی میں پہاڑی حملہ آوروں کو پسپا کیا اور تیرہویں صدی عیسوی میں مغل، تاتار یلغار سے بھی نبرد آزمائی کی، جارجیا ایک عیسائی سلطنت تھی، ۱۷۸۳ء میں ایک معاہدہ کے بعد روس اور اس کے درمیان بہتر تعلقات استوار ہوئے، تاریخ میں اس معاہدہ کو Georgiersk کے نام سے جانا جاتا ہے، سولہویں صدی عیسوی میں جب عثمانی ترکوں نے قفقاز پر قبضہ کیا تو انہوں نے وتخ، روس، خضر اور مغل خواتین کو گرفتار کیا اور ان سے شادیاں بھی کیں، اس نسلی اختلاط کی بنا پر یہ کہنا کہ قفقازی ہی چیچن ہیں صحیح نہیں۔

عام طور سے اور بالخصوص سویت مورخین چیچن کو وتخ ہی تصور کرتے ہیں، اس سے دراصل ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھی روس ہی کا حصہ ہیں۔

۱۹۴۰ء میں رومانیہ، ہنگری، آسٹریا، مغربی یوکرین، بوسینیا اور کروشیا میں نازی ازم تحریک کے زیر اثر چیچینیا میں بھی انقلاب آیا جو ۱۹۴۲ء آتے آتے اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا، یوکرین تک پہنچنے میں نازی فوجوں کو صرف ۳۰۰ میل کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا، چیچن قومی لیڈر حسن اسریلیو اور میر بک شیر یپو نے نازی ازم کا خیر مقدم کیا، اس کی حمایت کی اپیل کی اور فوجی جتھا ترتیب دیا، چنانچہ اسٹالن نے چیچن اور جرمن کے دوسرے چھ حمایتی خانوادوں کو یورپ کی جانب جلاوطن کر کے اس انقلاب کی کمر توڑ دی اور نازیوں سے قفقاز کے علاقے کو بچا لیا۔

دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں نے تمام امریکن-جاپانیوں پر اپنی خاص توجہ مرکوز کی اور جاپانیوں نے جاپان میں آباد تمام چینیوں اور کوریائی باشندوں کو احتیاطی تدبیر کے پیش نظر قید کر لیا، جس طرح ۱۹۶۲ء کے چینی حملے کے وقت ہندوستان میں رہنے والے چائنیز کو بھی سیکورٹی کے خیال سے گرفتار کر لیا گیا تھا، چیچینیا کی اہمیت پٹرول کی پایپ لائنوں کی وجہ سے نہیں ہے کیوں کہ اس کے بائی پاس سے متبادل راستے بنائے جا چکے ہیں اور چین اور جاپان کے لیے براہ راست پایپ لائنوں کا کام ہو رہا ہے، روس چیچینیا سے اس لیے خطرہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بھی تارستان، داغستان،

پشتونستان وغیرہ کی طرح علاحدہ مسلم ملک ہونے کا مطالبہ کر بیٹھے گا جس کا اثر آیندہ اس کی اقتصادی حالت ہی پر نہیں پڑے گا بلکہ اس کی وجہ سے اور بھی بڑے پیچیدہ مسایل پیدا ہوں گے، روس کے پاس بحر اسود تک پہنچنے کا یہی ایک قلیل مسافت کا راستہ ہے جو میڈیٹرانین، اسٹریٹ آف جبرالٹر اور سویز کنال تک پہنچا دیتا ہے، علاوہ ازیں یہ جنوبی قفقاز کے خاص روسی علاقوں، اسٹاروپول، کراسنوڈار اور روسٹو وغیرہ کی ترقی وحفاظت کا ذریعہ بھی ہے، اگر چیچنیا روس سے الگ ملک ہو گیا اور اس کے ہاتھ سے بحری مسافت کا یہ مختصر راستہ نکل گیا تو روس کی بیرون ملک تجارت متاثر ہوگی اور اس کو بہت دشوار اور لمبا راستہ طے کرنا پڑے گا جس سے اسے اپنے تحفظ وتجارت کے سلسلے میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اپنے موقف کی تائید میں روس کہتا ہے کہ کیا ترکی، کرد، گریکس اور آرمینینس کو آزادی دینے کے لیے تیار ہوگا؟ اسی طرح کیا پاکستان، بلوچ، پشتو اور شیعہ کو اپنے سے علاحدہ کر سکتا ہے، کیا ملیشیا سے چائینیز، ہندو اور بدھسٹوں کو اور انڈونیشیا سے بدھسٹ، ہندو اور چائینیز کو آزادی دیے جانے کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ الجیریا کے عرب حکمرانوں سے بربروں کو آزادی دینا ممکن ہے؟ چین بھی اپنے یہاں سکونت پذیر تقریباً ۷ فی صد مختلف الخیال طبقوں کو آزادی دے گا۔

اخبار علمیہ

گزشتہ کئی برسوں سے سعودی عرب اور دوسرے مسلم ملکوں کے حفاظ کے لیے "مقابلہ حفظ وتجوید قرآن" کا انعقاد ریاض میں کیا جا رہا ہے، اب امیر سلطان بن عبد العزیز نے مسلم ممالک کی مسلح افواج کے درمیان بھی "مقابلہ حفظ وتجوید قرآن" کو رواج دینا چاہا ہے، جو ایک مقدس دینی خدمت ہے، اس کا مقصد قرآن مجید سے فوجیوں میں شغف پیدا کرنا اور اس سے انہیں مربوط کرنا ہے، حال ہی میں ان کی زیر ہدایت تیسرا "عالمی مقابلہ حفظ قرآن" منعقد کیا گیا جس میں سترہ سے زیادہ اسلامی ملکوں کے فوجی حفاظ کرام نے شرکت کی، مقابلے کے مختلف گروپ تھے، اول گروپ مکمل قرآن مجید کے حفاظ کا تھا، دوسرا قرآن کے بیس پاروں اور تیسرا دس اور چوتھا پانچ پاروں کے حفاظ کا تھا، امتیازی نمبر حاصل کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور حفظ وتجوید قرآن مجید کی ترغیب دلانے کے لیے ان کو نقد انعامات بھی دیے جائیں گے۔

ایک خبر کے مطابق حیدرآباد کی ایک حوصلہ مند ہندو خاتون نے بینائی سے محروم افراد کے لیے قرآن، بھاگوت گیتا اور بائیبل کو بریل (Bralle) خط میں شایع کیا ہے، اسی خط کا استعمال اندھے، لکھنے پڑھنے کے لیے کرتے ہیں، اس خاتون کو نابیناؤں کی تعلیم سے بڑی دل چسپی ہے، ان کو اس پر بڑا تعجب ہے کہ نابینا افراد خواہ کسی مذہب کے ہوں نہ لکھ پڑھ پانے کے باوجود دین دار ہوتے ہیں، انہوں نے جب راماین کا بریل اڈیشن شایع کرنے کے بعد صدر جمہوریہ ہند سے اس کا اجرا کرایا تو صدر نے ان کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور مشورہ دیا کہ وہ دوسری مذہبی کتابوں کو بھی بریل خط میں شایع کریں، اس سے حوصلہ پا کر انہوں نے یہ عظیم الشان علمی و مذہبی خدمت انجام دی، انہوں نے گاندھی جی کی سوانح حیات اور مشہور و مقبول کہانیوں پر مشتمل بعض کتابوں کو بھی بریل خط میں طبع کرایا ہے، قرآن، بائیبل اور بھاگوت گیتا کا انتساب کسی خاص شخص کی جانب کرنے کے بجائے عالمی ادارۂ صحت اور راما کرشن مشن کے نام کیا ہے جو ان کے بہ قول عظیم مقاصد

کے لیے وجود میں آیا ہے، عام استفادے کی غرض سے قرآن مجید یا بائبل اور بھاگوت گیتا کے یہ بریل اڈیشن ملک کے تین سو سے زاید کتب خانوں کو دیے جائیں گے۔

نئی بزنس میگزین ''دینار اسٹینڈرڈ'' کے دوسرے شمارے میں جدید طرز کے اسلامی موبائیل فون کے متعلق تفصیلی معلومات شایع ہوئی ہیں جس کو دبئی کی موبائیل کمپنی ''آئی کان'' نے تیار کیا ہے، اس موبائیل فون میں جامعہ ازہر کے منظور شدہ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اور ایسا قطب نما شامل ہے جس سے دنیا کے کسی حصہ میں آباد لوگوں کو قبلہ کی سمت اور نماز کے مقررہ اوقات معلوم ہوسکتے ہیں، آیندہ کمپنی کے پیش نظر اس میں عازمین حج وعمرہ کے لیے قدم قدم پر مناسب رہنمائی کے اضافے کیے جانے کا منصوبہ بھی شامل ہے، کمپنی کے منتظم اعلا ''صاقر صلادی'' کے بیان کے مطابق یہ نیا اسلامی موبائیل پوری دنیا کے مسلمانوں کی دنیوی ضرورتوں کے ساتھ ہی بالخصوص دینی و مذہبی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تیار کیا گیا ہے، چنانچہ یہ کثیر المقاصد موبائیل فون مسلمانوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔

یو-کے میں قیام پذیر ۱۰ لاکھ ۸۰ ہزار مسلمانوں کی گزشتہ دس برسوں کی مسلم ڈائریکٹری شایع ہوئی ہے، یہ ان کی تجارت اور ملازمت کے متعلق بنیادی ضروری معلومات کا مفید ماخذ ہے، توقع کی جاتی ہے کہ یہ ڈائریکٹری یو-کے کی مسلم اقلیت کے اقتصادی، سماجی اور سیاسی حالات کو استحکام اور مضبوطی بخشے گی، اس کی تعداد اشاعت گیارہ لاکھ بیس ہزار ہے، ابھی تک یو-کے میں کوئی مسلم کتاب اتنی زیادہ تعداد میں شایع نہیں ہوئی تھی، رابطہ کے لیے انٹرنیٹ کا پتہ یہ ہے (www.muslimdirectory.Co.UK)، اس ڈائریکٹری سے مسجدوں، مدرسوں اور مسلم تنظیموں اور ان کی سرگرمیوں کے متعلق بھی معلومات مل سکتی ہیں۔

فرانس کی ایک مسلم فیڈریشن کے صدر ڈاکٹر محمد بشاری اور رابطہ الجامعات الاسلامیہ کے جنرل سکریٹری کے درمیان طے پایا ہے کہ فرانس میں اپنی نوعیت کی ایک منفرد پہلی اسلامی یونی ورسٹی قایم کی جائے جس کے نصاب کی تیاری، درسی کتب کی فراہمی اور اساتذہ کے تقرر و انتظام کی ذمہ داری رابطہ الجامعات کو سپرد کی گئی ہے، خود رابطہ کو ایسا نصاب ترتیب دینے پر مامور کیا گیا ہے جس میں فرانس کے حالات اور ماحول اور جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے

تاکہ غیر مسلم اقوام کے لیے بھی یہ یونی ورسٹی پرکشش بن سکے۔

ان افراد کی تیاری یونی ورسٹی کا اہم مقصد ہے جو مغرب میں اسلام کی صحیح ترجمانی اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات و شبہات کا ازالہ کرسکیں اور وہ بذات خود اسلام کا سچا نمونہ اور اس کی مجسم تصویر ہوں تاکہ آیندہ فرانس اور دیگر مغربی ممالک میں امامت و خطابت کے علاوہ حکمت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بھی انجام دیں۔

سعودیہ عربیہ اور بعض دوسرے اسلامی ممالک نے رویت ہلال کے لیے ایک اسلامی سیارہ چھوڑنے کا منصوبہ بنایا ہے جس سے ہلال رمضان وعید الفطر کے سلسلے میں ہونے والے اختلافات بہت حد تک کم ہوجائیں گے اور عربی قمری مہینوں کی صحیح تاریخ کے تعین میں بھی مدد ملے گی، سعودی عرب، مصر، یو-اے-ای اور بحرین وغیرہ سمیت ۱۵ عرب ملکوں نے کیرو یونی ورسٹی کے اسپیس اسٹڈیز سنٹر سے اس سلسلہ میں رابطہ کیا ہے جو پہلے اسلامک سٹیلائٹ تیار کرنے کے لیے اٹالین کمپنی سے معاہدہ کرلے گا، اس میں اندازاً ۳۰ ملین سعودی ریال خرچ ہوں گے، اس کی پندرہ رکنی کمیٹی کے سربراہ نے کہا کہ یہ نیا اسلامی سٹیلائٹ چاند کے اطراف اور گرد و پیش کا مطالعہ، اس کی آب و ہوا اور بادلوں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرے گا، اس سے تعیین قبلہ اور دور دراز علاقوں میں اوقات نماز کے تعین میں سہولت ہوگی۔

پچھلے ۵۶ برسوں سے ہندوستان میں امریکہ کے بارے میں معلومات اور واقفیت کے ذرایع نئی دہلی، چنئی، کلکتہ اور ممبئی میں قایم امریکی سنٹر کی لائبریریاں رہی ہیں، اب ہندوستان کے دیگر مقامات تک یہ سہولیات بہم پہنچانے کے لیے نئی دہلی میں ۴ امریکی کارنر بھی کھل گئے جس کا مقصد امریکہ کی صحیح تصویر پیش کرنا اور اس کے متعلق منفی رجحانات کا ازالہ کرنا بتایا گیا ہے، ڈائیلاگ اور افہام و تفہیم کے لیے جلسے بھی منعقد ہوں گے۔

پوری دنیا میں اس طرح کے ۱۲۲۵ امریکی کارنر ہیں، ان میں ۱۰۸ یورپ میں، ۱۴۰ جنوبی ایشیا میں اور ۵۶ افریقہ میں ہیں، دیگر ملکوں میں مزید امریکی کارنر کھولے جانے کا منصوبہ بھی ہے۔

ک ۔ص اصلاحی

وفیات

الحاج ابراہیم سلیمان سیٹھ

افسوس ہے کہ الحاج ابراہیم سلیمان سیٹھ ۲۷/اپریل کو دل کا دورہ پڑنے سے بنگلور میں وفات پاگئے اور وہیں ۲۸/اپریل کو ان کی تدفین ہوئی، اس وقت مسلمانوں کے جو گنے چنے سیاسی قاید اور ملی رہنما رہ گئے تھے، ان میں ابراہیم سلیمان بڑے مخلص اور قد آور تھے۔

تقسیم ہند کے بعد جب پورے ملک میں مسلمان شکستہ خاطر اور پست حوصلہ ہو رہے تھے تو اس وقت الحاج مولوی محمد اسماعیل مرحوم نے انڈین یونین مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور مصالح و حالات کے تقاضے سے اس کا دایرۂ عمل کیرالا تک محدود رکھا، بعد میں دوسرے صوبوں میں بھی اس کو وسعت دینے کی کوشش کی گئی مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی تاہم کیرالا میں انڈین یونین مسلم لیگ نے مسلمانوں کی ہمت و حوصلہ بلند کیا اور ان کا وزن و وقار باقی رکھا، یہاں اس کا زور و اثر اتنا بڑھا کہ کوئی حکومت اس کے اشتراک کے بغیر نہیں چل سکتی۔

الحاج ابراہیم سلیمان سیٹھ شروع ہی سے مولوی محمد اسماعیل مرحوم کے معتمد اور قریب ترین رفیق تھے، ان کی زندگی ہی میں سیٹھ صاحب مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری ہوگئے تھے اور ان کی وفات کے بعد اس کی مسند صدارت کو رونق بخشی، ان کی قیادت میں مسلم لیگ بڑی متحرک اور سرگرم رہی، اس کی کامیابی اور اترپردیش میں مسلم مسایل سے کانگریس کی سرد مہری اور متعصبانہ رویہ دیکھ کر مرحوم ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کو یہاں بھی مسلم مجلس قایم کرنے کا خیال ہوا لیکن ڈاکٹر صاحب کی بے وقت موت، اترپردیش کے سیاسی حالات کی پیچیدگی اور خود مسلم مجلس کی تقسیم در تقسیم کی وجہ سے مسلم مجلس کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکی۔

یہ مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی ہے کہ جب ان کی کوئی تنظیم برگ و بار لاتی ہے تو وہ اپنوں

کے عدم اخلاص و انشقاق اور اغیار کی سازشوں سے متفرق اور پراگندہ ہوجاتی ہے، سیٹھ صاحب جیسے مخلص اور بے لوث رہنما کو بھی آخر عمر میں یہی صدمہ اٹھانا پڑا اور وہ انڈین نیشنل لیگ قایم کرنے کے لیے مجبور ہوئے جس کے تاعمر وہی صدر رہے۔

ابراہیم سلیمان سیٹھ کے تعلقات اختلاف کے باوجود کانگریس کے لوگوں سے اچھے تھے اور وہ بھی سیٹھ صاحب کو سچا محب وطن سمجھتے تھے مگر ۱۹۹۲ء میں جب بابری مسجد کا انہدام ہوا تو وہ کانگریس سے سخت متنفر ہوگئے اور جب وزیر اعظم نرسمہا راؤ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہوئی تو مسلم لیگ کے ایک گروہ نے ووٹنگ میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا مگر سیٹھ صاحب نے حکومت کے خلاف ووٹ دیا، ان کی ایمانی حمیت اور ملی غیرت اصولوں اور مسلم مفادات پر کبھی کوئی سمجھوتا کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئی، ان کی پوری پارلیمانی زندگی مسلمانوں کے آئینی و دستوری حقوق و مفادات کے تحفظ میں گزری، صاف گوئی اور حق گوئی ان کا طرۂ امتیاز تھا، وہ ایک جری اور بے باک قاید تھے، پارلیمنٹ میں مسلم مسایل اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی ناانصافیوں پر ہمیشہ نہایت پر زور آواز بلند کرتے رہے۔

ان کی پارلیمانی زندگی کا آغاز راجیہ سبھا کی ممبری سے ہوا، پھر وہ مسلسل سات آٹھ بار لوک سبھا کے لیے منتخب ہوتے رہے جو اپنے آپ میں ایک مثال اور سیٹھ صاحب کی مقبولیت کا ثبوت ہے، وہ مسلمانوں کی مختلف دینی، ملی اور سماجی اداروں اور تنظیموں کے متحرک اور فعال رکن تھے، اپنی طویل سیاسی، سماجی اور ملی خدمات کی وجہ سے پورے ملک اور خاص طور پر کیرالا میں بڑی قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

ان سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی مرحوم کے ساتھ مسلم مجلس کے تعارف و توسیع کے لیے اترپردیش کا دورہ کرتے ہوئے دارالمصنفین اعظم گڈھ تشریف لائے، دوسری بار ان کا دورہ مسلم لیگ کی شاخیں قایم کرنے کے لیے ہوا تو اعظم گڈھ بھی آئے اور شہر میں جلسہ عام ہوا لیکن پریس کانفرنس کا پروگرام دارالمصنفین میں تھا، اس وقت ان کے زورِ تقریر، حاضر جوابی، قوم و وطن اور مسلمانوں کے مسایل سے ان کی گہری واقفیت اور سیاسی سوجھ بوجھ کا پورا اندازہ ہوا، تیسری بار ۱۹۹۲ء میں حج بیت اللہ میں ان کا ساتھ ہوا، رابطہ عالم

اسلامی کی دعوت پر یہ سفر ہوا اور مسجد خیف کے پاس پہاڑی پر رابطہ کے منی میں ان کے ساتھ ہی مقیم
تھا، یہاں شب و روز ان کا ساتھ رہا، نمازوں، ارکان حج کی ادائیگی اور کھانے پینے میں برابر ساتھ رہتا،
وہ بڑھاپے میں ہم لوگوں سے زیادہ چاق و چوبند اور عبادت میں مستعد تھے، اخباری نمایندے اور
ریڈیو والے آتے اور فرداً فرداً سب سے سوالات کرتے، ہم لوگ اپنی جان بچانے کے لیے سیٹھ
صاحب کو آگے کردیتے، مکہ میں مقیم کیرالا کے مختلف طبقوں کے لوگ بھی بڑی تعداد میں ان سے
ملنے اور ان کے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے اپنے نجی معاملات میں مدد کے طالب ہوتے، اس
سے بھی ان کی مقبولیت کا پتا چلتا تھا۔

سیٹھ صاحب بڑے باغ و بہار، شگفتہ مزاج اور بے تکلف شخص تھے، اس سفر میں ان کی
ایمانی و ملی حمیت و غیرت، شرافت، دردمندی، حسن خلق، منکسر المزاجی، ایثار اور اخلاص کے جو
جلوے دیکھے ان کی چمک سے دل اب تک روشن اور گرم ہے، ان کی وفات سے ملی و سیاسی
میدان میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ملک و
قوم کو ان کا بدل عطا کرے، آمین۔

مولانا شاہ شرف عالم ندوی

۳/جون کو مولانا سید علی احمد شاہ شرف عالم ندوی نے داعی اجل کو لبیک کہا، وہ خانقاہ
پیر دمڑیا خلیفہ باغ بھاگل پور کے سجادہ نشین تھے، ۸/مارچ ۱۹۲۶ء کو اپنے ننہال لکھنؤ میں پیدا
ہوئے، آبائی وطن بھاگل پور میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا، دارالعلوم ندوۃ العلما
لکھنؤ سے علوم عربیہ کی تحصیل کی، اس کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے، میری ان کی ملاقات یہیں
ہوتی تھی، ان کے ساتھ ایک جم غفیر ہوتا تھا، وہ دارالمصنفین کے قدرداں اور معارف کے خریدار تھے،
قرآن مجید اچھا پڑھتے تھے، خانقاہ کی مسجد میں امامت اور رمضان میں قرآن سناتے تھے، مریدین
کی اصلاح و تربیت پر پوری توجہ دیتے، طبیعت میں اعتدال تھا، ہر شخص سے بشاشت سے ملتے تھے،
اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔ "ض"

☆☆☆☆

مطبوعات جدیدہ

ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ و سال: از ڈاکٹر گیان چند، متوسط تقطیع،
کاغذ و کتابت و طباعت مناسب، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۷۴۵، قیمت: ۲۷۰
روپے، پتہ: اقبال اکادمی، ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور، پاکستان۔

اقبالیات کا عالم وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور اس کی یہ وسعت مختلف ابعاد و
جہات سے قارئین اقبال کو روشناس کرتی جاتی ہے، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کا ایک اہم اور
منفرد حصہ ہے جس میں اقبال کے ابتدائی کلام یعنی ۱۹۰۸ء تک ان کی غزلوں اور نظموں کی تاریخی
ترتیب اور مختلف نسخوں کی مدد سے ان کی اصل شکل کو پیش کیا گیا ہے، فاضل مرتب کی تحقیقی شان
مسلم الثبوت ہے، اس کتاب کی تالیف میں بھی ان کی دیدہ ریزی اور محنت و جستجو پوری طرح
نمایاں ہے، وہ مفکر اقبال کو اردو کا سب سے بڑا شاعر سمجھتے ہیں، مفکر کے علاوہ ان کے ذہن میں
کسی اور اقبال کا وجود بھی ہے، جس کی وضاحت ہوتی تو اور بہتر ہوتا، ان کو یہ ملال بھی ہے کہ ہزار
ڈیڑھ ہزار کتابوں پر مشتمل ذخیرہ اقبالیات میں اقبال کے کلام کا کوئی ایسا جامع اشاریہ نہیں جس
میں ان کی زندگی کے ان سب رسالوں اور مجموعوں کی نشان دہی کی گئی ہوتی جن میں ان کا کلام
چھپا ہو، شاید اسی احساس نے ان کو اس تالیف پر آمادہ کیا اور حق یہ ہے کہ متداول اور منسوخ
دونوں قسم کے کلام کو یک جا کر کے ان کو تاریخی ترتیب سے پیش کرنے کا نہایت دقت طلب کام
انہوں نے جس عمدگی سے انجام دیا وہ ان کے مرتبہ بلند کے شایان شان ہے، خصوصاً ان کے
حواشی بڑے کام کے ہیں گو ان کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں، کشمیر سے متعلق علامہ کے
منسوخ اشعار میں "اسلام کا ٹیکا" والے مصرع پر یہ لکھنا کہ یہ محل نظر ہے، خود محل نظر ہے، علامہ
نے اپنی برہمن زادگی کا ذکر مختلف اشعار میں ضرور کیا ہے لیکن پنڈت کہلانے پر اگر انہیں شرم آئی
تو اس سے شعر کی حقیقت کیوں کر محل نظر ہو سکتی ہے؟ اسی طرح منشی محبوب عالم کے سفر یورپ کے
موقع پر الوداعی نظم کو جلسے میں نہ سنانے پر فاضل مرتب کو شاعر کے حجاب پر حیرت ہے لیکن اس

سے زیادہ حیرت خود ان کے اس قیاس پر ہے کہ ایک اور شاعر کی نظم شاید زیادہ بہتر تھی جس کی وجہ سے اقبال نے اپنی نظم کو "پی جانا" مناسب سمجھا ہو، اقبال کی ایک اور منسوخ نظم "عیش جوانی" کو بھی ان سے منسوب کرتے ہوئے فاضل مرتب کو تامل ہوا کہ اس میں لکھنؤ کے رنگ کے چند اشعار ہیں، اس میں شامل مصرع

ضد ہم آغوشی شوق نیم جامہ کو ادہر

کے متعلق یہ کہنا کہ غنیمت ہے کہ انہوں نے شوق بے پجامہ نہیں لکھا، بھی محض حشو خیال ہے، جابجا مختلف نظموں کے متعلق اس قسم کی عبارتیں ہیں کہ "اس نظم کا زمانہ معلوم نہیں، اندازے سے یہاں رکھ دی گئی ہیں" تاریخی ترتیب کی محنت کے علاوہ حواشی میں ذوق تنقید بھی کارفرما ہے اور کہیں کہیں یہ بہت دل چسپ ہے مثلاً "خفتگان خاک سے استفسار" کے ایک شعر کے متعلق لکھا کہ "یہ حشو اور بدرنگ معلوم ہوتا ہے" اور یہ کہ "بیچ میں قبرستان کے بارے میں بیانیہ شعر کہاں سے آدھمکا" اور تصحیح کے بعد یہ اظہار خیال ہے کہ اس طرح شعر درست ہوجائے گا، ایک منسوخ شعر کہ   محفل ہستی میں آزار تہی دستی نہ ہو   یہ بھی اک میری جوانی کی تمناؤں میں تھی
کا سبب نسخ بھی ایسا نہیں جس کو "ظاہر ہے......" کے الفاظ سے قطعی کردیا جائے، یہی بات ع
بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز   کے حاشیے کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔

علامہ عبدالعزیز میمنی، حیات وخدمات: از شعبہ عربی مسلم یونی ورسٹی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۵۵۲، قیمت: درج نہیں، پتہ: شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

ابوالعلاء وما الیہ اور سمط اللآلی جیسی وقیع کتابوں کے مصنف علامہ عبدالعزیز میمن کی شخصیت بجا طور پر مفخرہ ہند اور جوہرۃ العالم العربی کے الفاظ کی مستحق تھی، گزشتہ صدی میں وہ ان ارباب فضل وکمال میں تھے جن کی وجہ سے ہندوستانی علما عالم عرب میں سرخ رو تھے، ابوالعلاء معری اور سمط اللآلی کے علاوہ ان کے قلم سے بیسیوں عربی کتابیں نکلیں، ان کی شاہکار کتاب ابوالعلاء وما الیہ پہلی بار دارالمصنفین کے خرچ سے مصر سے شائع ہوئی تھی، بلند پایہ مصنف ومولف کے علاوہ وہ نہایت کامیاب استاذ ومعلم بھی تھے، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا شعبہ عربی ان کی وجہ

سے نیک نام ہوا، ان کے تلامذہ میں بعض خود بہت نامور ہوئے جن کے ذریعہ ان کا فیض عام ہوا، خوشی کی بات ہے کہ یونی ورسٹی کے شعبہ عربی نے ایسے نابغہ کی یادوں اور ان کے کارناموں کی تجدید کی غرض سے ایک پروقار سمینار کا انعقاد کیا، زیر نظر کتاب میں اسی مذاکرۂ علمی کے مقالات کو یکجا کیا گیا ہے، عربی، اردو اور انگریزی میں یہ مقالات علامہ مرحوم کی شخصیت اور علمی کاوشوں کا بہترین اور جامع مرقع ہیں اور اس خوبی سے ہیں کہ ان کے شاگردوں اور بعض ممتاز معاصروں کا ذکر بھی تفصیل سے آگیا ہے، ان میں مولانا ابوعبداللہ محمد سورتی بھی ہیں، عبدالعزیز میمن سے ان کی علمی معرکہ آرائی کا مفصل ذکر بھی اس مجموعہ مقالات کی نمایاں خوبی ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سورتی کا ایک رسالہ عالم برزخ کے نام سے دارالمصنفین سے شایع ہوا تھا، مقالات میں معروضیت کا بھی خاصا اثر ہے لیکن علامہ عبدالعزیز میمن اور ڈاکٹر طہ حسین کے تقابل میں اس قسم کے ادعائی جملے بھی ہیں کہ طہ حسین کو جو شہرت اور ہردل عزیزی ملی وہ عجم کے جملہ ادبا مل کر بھی حاصل نہیں کرسکتے، حالاں کہ اسی مضمون کے آخر میں یہ اعتراف بھی ہے کہ طہ حسین کی کتاب ذکری ابی العلاء کے مقابلہ میں علامہ مرحوم کی ابوالعلاء وما الیہ کی تعریف میں علماے ادب رطب اللسان ہیں، ایک مضمون میں صاحب القاموس مجد الدین الفیروزآبادی پر علامہ مرحوم کی تنقید کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شاید میمنی صاحب کے پیش نظر مصنف کا ایرانی النسل ہونا ہے لیکن اس خیال کی تائید میں کوئی ٹھوس وجہ بیان نہیں کی گئی۔

فصول فی التعریف بالهند العربیة الاسلامیة: از جناب سید علیم اشرف الجائسی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۳۳۶، قیمت: ۲۰۰ روپے، پتہ: دارالعلوم جائس، راے بریلی، یوپی۔

عرب وہند کے تعلقات، ہندوستان میں عربی فتوحات، دعوت اسلامی، عربی زبان کے فروغ اور ہندوستان کی عربی زبان کی خدمات پر مشتمل مضامین سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، لایق مصنف نے موضوع کا انتخاب لیبیا میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہی کرلیا تھا اور یہی موضوع ان کے اعلا تعلیمی درجات کے مقالوں کا رہا، پہلا مقالہ وریقات فی التعریف بالهند کے نام سے ہے اور عربوں اور عربی دانوں کے لیے یہ خاص طور پر جغرافی اور تاریخی معلومات کے

لحاظ سے بہت مفید ہے، آخری باب ہندوستان کے عربی اہل قلم کے لیے خاص ہے اور اس میں کچھ تشنگی کا احساس بھی ہوتا ہے، اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ یہ انگریز استعمار کے دور تک محدود ہے، اس میں علامہ شبلی کا عدم ذکر خاص طور پر محسوس ہوتا ہے، مصادر کی فہرست میں کتاب ہندوستان عربوں کی نظر کا ذکر ہے لیکن مولف کا نام درست نہیں، کمپوزنگ اعلا درجہ کی ہے لیکن مفتی سعد اللہ مرد آبادی کی غلطی ناگوار گزرتی ہے۔

اسلام، انسانی حقوق کا پاسبان: از جناب مولانا سید جلال الدین عمری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۱۷۲، قیمت: ۵۵ روپے، پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

انسانوں کے اخلاقی و معاشرتی اور جبلی حقوق کی سنجیدہ بحث اب عملاً ایسا پرشور نعرہ ہے جس کو مغرب کے نقارخانے سے درآمد کیا گیا ہے اور جس کو بڑی چابک دستی اور شاطرانہ مہارت سے دوسرے نظریات کی مخالفت میں استعمال کیا جاتا ہے، بغور دیکھا جائے تو انسانی حقوق کے شور وغوغا میں انسانیت آج پہلے سے زیادہ مجبور و مقہور و مجروح ہوئی ہے، فاضل مصنف کی نظر موجودہ عصری مسائل پر خاصی گہری ہے، چنانچہ انہوں نے انسانی حقوق کے متعلق اسلام کے نظریات اور عملی ترجیحات کی وکالت بڑی خوبی سے کردی کہ انسان کا بنیادی تصور کیا ہونا چاہیے، فرد کے شخصی اور ذاتی، سماجی اور بنیادی حقوق کی تکمیل، انصاف و توازن سے کیوں کر ہو، اسلام نے کمزور اور معذور افراد و طبقات کو کن اخلاقی اور قانونی حقوق کی دولت سے نوازا، انسانوں کے دیے ہوئے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حقوق میں فرق کیا ہے؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے یہ مختصر کتاب بڑی قیمتی اور مفید ہے۔

سرگوشیاں زمانوں کی: از جناب عبدالاحد ساز، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع خوب صورت گرد پوش، صفحات ۲۰۸، قیمت: ۱۵۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ممبئی، دہلی، علی گڑھ۔

اردو شاعری کی نئی نسل میں جن شاعروں نے لہجے کی سنجیدگی، فکر کی تازگی اور خیال کی رعنائی کو باہم مہارت اور قدرت سے آمیز کیا ہے ان میں عبدالاحد ساز کا نام نمایاں ہے، وہ

صاحب شعور شاعر ہیں، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نظریات سے وہ بہ خوبی واقف ہیں اور اسی واقفیت کی بنا پر وہ ساخت و شناخت کی فرضی بحثوں سے اجتناب کرنے کا فن بھی جانتے ہیں اور حقیقت کی اس صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں کہ شاعری شخصی ہونے کے ساتھ عصری اور آفاقی بھی ہونا چاہیے اور سب سے بڑھ کر وہ فن میں محنت و ریاضت، کیف و سرور اور اجتہاد و اختلاف کی گنجایشوں کو روا رکھتے ہوئے روایت کے احترام کے قایل ہیں، شاعری صرف دانشورانہ نشتر زنی ہی نہیں، مرہم پاشی بھی ہے، ان خیالات کا شاعر جب فکر و فن کو انسان، خدا اور کائنات کے ازلی رشتہ درد و محبت سے ہم آہنگ رکھنے کی کاوش کرتا ہے تو نتیجہ زیر نظر مجموعہ اشعار کی شکل میں آنا بدیہی ہے، ایسی شاعری میں اگر لفظوں کے موتی، جذبے اور خوابوں کے سنہرے جال جا بجا نظر آئیں تو حیرت نہیں، فردوسی جیسے شاعر کو پڑھتے وقت اگر کسی اور شاعر کو پڑھنا برا نہ لگے تو یہ اس شاعر کے افکار و اظہار کی قدرت و ندرت ہی کہی جائے گی، ساز کی شاعری کو تسلیم کرلیا گیا ہے، جس مجموعہ اشعار میں اس قسم کا شعر ہو کہ

فہم اسرار ہے کیا حرف مکرر کے سوا　　حاصل دید ہے کیا حسرت منظر کے سوا

اور جس کا ایمان یہ ہو کہ

حساب پوچھیں گے درد دل کا اور آنسوؤں کا شمار ہوگا
اسی پہ شاید سزا جزا کا تمام تر انحصار ہوگا

ایسے شاعر کی کاوش کا تہہ دل سے خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔

مدن پورہ کی انصاری برادری (سماجی پس منظر): از جناب شاد عباسی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۴۸، قیمت: درج نہیں، پتہ: زرنگار B-16/130 بگڑبلی، مدن پورہ، وارانسی اور ماہ نامہ شاعر، ممبئی۔

آب رود گنگا کے کنارے اترنے اور بسنے والے کاروانوں کی یاد محض تاریخ کا دل چسپ باب نہیں، علم الاقوام اور سماجی نقطہ نظر سے بھی یہ بڑا پرلطف موضوع ہے، بنارس کی قدامت ظاہر ہے اسلام اور مسلمانوں سے اس کا رشتہ بھی کم پرانا نہیں، ایک روایت کے مطابق پہلی صدی ہجری میں یہ شہر، مسلمانوں کے وجود سے آشنا ہو چکا تھا اور شاید یہ اسی کی برکت ہے کہ آج بھی اس شہر کے

باشندوں میں مسلمانوں کا تناسب سینتیس فی صد کے قریب ہے، جن میں غالب آبادی بہ لحاظ برادری ان مسلمانوں کی ہے جو پارچہ بافی کی صنعت سے وابستہ ہیں، محلہ مدن پورہ خاص طور سے ان کا مرکز ہے، اس کتاب میں اسی برادری کی صنعت، دست کاری، تعلیم اور سماجی رسموں اور رواجوں کی داستان بیان کی گئی ہے، ہندوستان خصوصاً شمالی ہند میں برادریوں کی تشکیل، تہذیب اور تحدید کا مطالعہ مختلف جہات سے دل چسپ ہونے کے ساتھ حیرت انگیز بھی ہے، مثلاً بنارس میں مومن انصار برادری کی مختلف محلوں میں بود و باش بھی، فرق و اختلاف کی ایسی بنیاد ہے، جس کی وجہ سے شادی بیاہ میں گریز کیا جاتا ہے، اسلامی عقاید و اخلاق کی بجا آوری اور قدیم ہندوستانی معاشروں کے پیمانوں کی پاس داری کے اس امتزاج کا مطالعہ واقعی پرلطف ہے، شروع میں بنارس کی تاریخ کے ضمن میں بدھ مت تک کے زمانے کے علاوہ البیرونی، علی حزیں اور غالب کا اور تاریخی عمارتوں کا ذکر ہے لیکن بعد کے ابواب میں مدن پورہ کے مسلمانوں کی تجارت، تعلیم اور معاشرت خصوصاً شادی و غم اور میلوں ٹھیلوں کی داستان، شرر مرحوم کے گزشتہ لکھنؤ کی یاد تازہ کردیتی ہے، لائق مصنف کی محنت قابل داد ہے اور یہ خیال درست ہے کہ یہ کتاب مرقع بنارس اور آثار بنارس کی طرح ایک دستاویزی ماخذ کی حیثیت اختیار کرلے گی۔

دینی دعوت، اصول، تقاضے اور داعیوں کی زندگی: مرتبین: جناب محمد ظفر الدین برکاتی و جناب محمد جاوید اختر مصباحی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۲۸۸، قیمت: ۵۰ روپے، پتہ: المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڈھ۔

اسلام کے پیام رحمت کو عام کرنے کی غرض سے دعوت کے طریق کار اور زمانے کے تقاضوں کو سمجھنے اور اسلام کے داعیوں کی زندگی سے فیض یاب ہونے کے موضوعات پر اچھی تحریروں کا یہ مجموعہ اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تمام مضامین جامعہ اشرفیہ کے منتہی درجات کے طلبہ کے قلم سے ہیں، اس سے ان کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے، زیادہ تر مضامین میں مسلکی شناخت کے اظہار سے گریز ہے لیکن چند مضامین ایسے بھی ہیں جو نفس موضوع سے زیادہ اپنے مسلک کے اظہار میں نمایاں ہیں، مجموعی طور سے طلبہ کی یہ کاوش قدر اور حوصلہ افزائی کے لائق ہے۔ ع۔ص

☆☆☆☆